جولائی، اگست، ستمبر ۸۲

۱۲۵۲

۱۱-۱۵-۹

ماہنامہ الرشید

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

تمکین ۱۹۸۰ء

ماہنامہ

المرشد

چکوال

اسرار التنزیل نمبر ۲

شمارہ: ۹-۱۰-۱۱	ماہ رمضان، شوال، ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۸۲ء	جلد: ۳

سرپرست اعلیٰ

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب دامت برکاتہم

مدیر مسئول: حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے

حافظ عبدالرزاق پرنٹر و پبلشر نے باہتمام منہاج الدین اصلاحی ... پرنٹنگ پریس لاہور چھپوا کر دفتر ماہنامہ "المرشد" الخدمات منزل چکوال سے شائع کیا۔

بدل اشتراک

خاص نمبر ۵۰/۰۰ روپے

زر سالانہ: ۳۵/۰۰ روپے

فی کاپی ۳/۰۰ روپے

سول ایجنٹ: مکتبہ خانہ گنج بخش ... لاہور

اداریہ

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ
اسلامی سال کا کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں کوئی اہم واقعہ پیش نہ آیا ہو جس نے
اس مہینے کو سال کے دوسرے مہینوں میں مابہ الامتیاز بنا دیا ہو۔ رمضان المبارک کا مہینہ
بھی قمری سال میں مسلمانوں کے نزدیک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ فرق
یہ ہے کہ اس مہینے کا تعارف خود خالق کائنات نے کرایا اور اس انداز سے کرایا کہ اگر نظر
حقیقت شناس سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری
انسانیت کے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ تعارفی مضمون یوں سامنے
آتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ●
یعنی "رمضان وہ عظیم الشان مہینہ ہے جس میں قرآن جیسی جلیل القدر
کتاب نازل کی گئی۔" گویا رمضان کو جو عظمت نصیب ہوئی وہ نزولِ قرآن کی وجہ سے
جس سے ظاہر ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے جو بذاتِ خود ہی عظیم نہیں بلکہ جس کو اس سے
نسبت ہو جائے اسے بھی عظیم بنا دیتی ہے۔ مگر اس کتاب کی عظمت کا راز کیا ہے؟
ارشادِ ربانی ہے: هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی یہ کتاب اولادِ آدم کو انسانیت کی راہ دکھاتی ہے۔

انسانوں کو کس طرح جینے کا ڈھنگ سکھاتی ہے۔ زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اور یہ صفت اس کتاب کے ساتھ ایسی ملحق ہے کہ جس نے اس کتاب سے پہلوتہی کی وہ انسانیت کے وصف سے عاری ہوگیا۔ چنانچہ قرآن اعلان کرتا ہے:-

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ۔

یعنی جس نے قرآن کے اس وصف کا یعنی کتاب ہدایت ہونے کا انکار کردیا

اس کی زندگی ڈنگروں، ڈھور ڈنگر کی زندگی سے کسی طرح مختلف نہ ہوگی

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات میں ابہام نہیں بلکہ صراحت ہے۔ وضاحت ہے جبھی تو اس کے بھیجنے والے نے دعوٰی کیا ہے کہ "ہم نے ہدایت حاصل کرنے کی حیثیت سے قرآن کو نہایت آسان بنادیا۔ یہ صورت نہیں کہ آدمی قرآن سے ہدایت تلاش کرے اور اسے ملے بھی نہیں۔ قرآن کی تیسری خصوصیت بتاتی کہ یہ کتاب حق و باطل، صحیح اور غلط، مفید اور مضر، تریاق اور زہر میں امتیاز کرنا پہچاننا ایسے حتمی طور پر سکھاتی ہے کہ ان کے درمیان واضح لکیر کھینچ کر رکھ دیتی ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو انسان کی بنیادی ضرورت بھی تو یہی کہ انسان بن کر زندہ رہنے کا سلیقہ آجائے۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کا ڈھنگ آجائے۔ زندگی کی کامیابی کا راز اسی میں پنہاں ہے۔

رمضان اور قرآن میں اس گہرے تعلق کی بنا پر اس امر کا احساس ہوا کہ اس بابرکت مہینہ میں قرآن کی کوئی خدمت ہو جائے، بلکہ مناسب تر انداز میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے ذریعے انسانیت کی بالعموم اور مسلمان قوم کی بالخصوص کوئی خدمت کی جائے — چنانچہ جب یہ احساس عمل کی صورت میں منتقل ہونے لگا تو ہمارے رفیق مولانا محمد اکرم اعوان جو دار العرفان منارہ کے روح رواں ہیں نے یہ ذمہ داری اپنے کندھے پر لے لی۔

یہ پرچہ انوار التنزیل نمبر ہے اس میں قرآن کریم کے پارہ دوم کے مضامین و احکام

کے اسرار بیان ہوئے ہیں۔ آپ ان اسرار کو پڑھ کر محسوس کریں گے کہ غالب نے شاید اسی سے ملتے جلتے حالات کا نقشہ کھینچا تھا۔ گو دونوں جگہ نفس مضمون جدا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اسرار کو پڑھیں۔ غور کریں۔ دل میں بٹھائیں اور ان کے مطابق عملی زندگی کا نقشہ تعمیر کریں۔

عبدالرزاق

ماہ رمضان المبارک نزولِ قرآن حکیم کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ شَھرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ

اس مبارک تقریب پر ہم اپنے کرم فرما مولانا محمد اکرم صاحب کے درس قرآن مجید کا دوسرا مجموعہ جو پارہ دوم پر مشتمل ہے پیش کر رہے ہیں، یہ درس کیا ہیں؟ ولقد یسرنا القرآن للذکر کی ایک حسین تصویر۔ قارئین کرام اس سے کما حقہٗ مستفید ہوں اور دوسرے بھائیوں تک یہ پیغام پہنچائیں۔

(مدیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ
كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا
جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ
مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ
اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

ع ۱۷ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ:

اب تو یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا آپ فرما دیجیے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) تو وہ محض اس مصلحت کے لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاتے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔ اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف لوگوں) پر ہوا بڑا ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کر دیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے (لو) پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف [illegible] کیجیے۔ اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار ہی کی طرف سے (ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں۔ اور اگر آپ (ان) اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کر دیں جب بھی یہ (کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے (پھر موافقت کی کیا صورت) اور ان کا کوئی فریق بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتا اور اگر آپ ان کے ان نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفا کرتے ہیں (حالانکہ) یہ امر واقعی من جانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے سو ہرگز شک و شبہ لانیوالوں میں شمار نہ ہونا۔

اسرار و معارف : رکوع ۱۰-۱

سیقول السفہاء من الناس ...... الی صراطٍ مستقیم ۱۴۲ رکوع ۱۰ ع ۱

یہود و نصاریٰ تو ہر طرح سے لاجواب ہو گئے مگر ان کے یہ اعتراضات کہ برحق نبی کو سمت قبلہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی کس چیز نے مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کیا ہے اور کیا پہلا قبلہ درست نہ تھا ؟ اگر ایسا ہے تو پہلی نمازیں کیا ہوئیں یا جو لوگ اس تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے ان کا کیا ہوگا ۔ یہ سوال کج فہموں کے ذہنوں سے چپک گئے ۔ کج فہم اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر طبیعت میں راستی اور فہم میں درستی ہو تو لایعنی باتیں اور فضول بحثیں طبعاً ناپسندیدہ ہو جاتی ہیں اور ذہن درست باتوں کو قبول کرتا ہے کہ راستی کا یہی خاصہ ہے ۔ یہاں اللہ کریم نے ان تمام لوگوں کی اس غلط سوچ کا جواب ارشاد فرمایا ہے اسی لئے ارشاد ہوا کہ السفہاء من الناس کہ بیوقوف لوگ اس بات کو بہت اہمیت دینگے کہ جی تبدیلئ قبلہ کوئی معمولی بات تو نہیں یہ کیسے ہو گئی ۔ بات ذرا قبلہ کے بارے ہو جائے تو مناسب رہیگا ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو انہوں نے بحکم الٰہی کعبۃ اللہ تعمیر فرمایا جسے قبلہ یعنی وہ مرکز جس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی جائے مقرر کیا گیا اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ۔ اس مقام کو اس نسبت سے کہ یہ قبلہ ہے تجلیات ذاتی کا شرف نصیب ہوا اور معنوی لحاظ سے واقعی کائنات کا مرکز بنا اگرچہ دُنیوی اور جغرافیہ کے لحاظ سے بھی یہ مقام مرکزی ہے ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے عہد تک یہ درست حالت میں رہا ۔ مگر طوفانِ نوحؑ نے جب روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لیا تو کعبہ بھی ختم ہو گیا لیکن صرف گارا مٹی اکھڑ گیا ۔ باطنی اور روحانی مرکزیت یا تجلیاتِ باری جو اس کے ساتھ مختص تھیں وہ طوفانوں سے متاثر تو نہ ہو سکتی تھیں ۔ اس لئے اسکی دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اس وقت تک یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جو ارد گرد کے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان موجود تھی پھر بیت المقدس تعمیر ہوا اور اسے سمتِ عبادت یا قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ اکثر نبی اس علاقہ میں مبعوث ہوئے نیز ان کی نبوت عالمگیر تو تھی نہیں خاص اقوام اور خاص علاقوں کے لئے تھی جن کو ایک دور دراز اور لق و دق صحرا میں کھڑے سیاہ خام پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی جگہ کی طرف متوجہ کرنا شاید ان لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیتا اللہ کریم نے ان پر آسانی فرمائی اور بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا جس کو وہ جانتے تھے جہاں انکی رسائی آسانی سے ہو سکتی تھی اور وہاں عبادت کر سکتے تھے ۔ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ یہی رہا ۔ ابتدائے اسلام میں بھی جب تک بیت اللہ شریف کو دوبارہ

قبلہ بنانے کا حکم نازل نہ ہوا نمازیں اُسی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی رہیں۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک کعبۃ اللہ کی طرف مائل تھی بلکہ مزاجِ مبارک میں شدید تقاضا پیدا ہوتا تھا جسکی وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ چونکہ بنا ابراہیمی تھی ممکن ہے یہ وجہ بھی ہو مگر میری ناقص رائے میں اصل وجہ اس مقام کا وہ خاص شرف ہے جو اسے حاصل ہے۔ دنیا میں صرف ان دو مقاموں کو یہ سعادت حاصل ہے اور یہ صرف زبانی حکم ہی نہیں کہ محض ایک مرکزی جگہ یکجہتی پیدا کرنے کیلئے مقرر ہو گئی بلکہ اس کے ساتھ اس مقرر شدہ جگہ کو خصوصی تجلیات سے بھی نوازا گیا ہے تو اس لحاظ سے بیت اللہ کی عظمت بیت المقدس سے بڑھی ہوئی ہے جس کی دلیل وہ حدیثِ مبارک ہے جس میں ارشاد ہے کہ بیت المقدس کی ایک نماز کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بیت اللہ کی ایک نماز کا اجر ایک لاکھ کے برابر۔ یہاں تک تو بات ہر ایک کے سامنے ہے اسکے ساتھ جو بات صرف خواص کیلئے ہے وہ یہ ہے اگر بیت المقدس پہ نگاہ کی جائے تو عرش نہم کے آخر سے نور کا ایک دھارا شروع ہوتا ہے جو بیت المقدس سے گزرتا ہوا دوسری طرف نویں عرش کی انتہا سے جا ملتا ہے۔ اب اس کو یوں سمجھیں کہ یہ زمین یا انسانوں کی بستی ہمیشہ اوپر کو متوجہ رہتی ہے اس کے اوپر آسمان ہیں جو یہاں سے چودہ ہزار سالہ راہ کی دوری پر ہیں۔ تمام سیارے اسی جوّ آسمانی میں ہیں اور آسمان سب کو محیط۔ آسمان سات ہیں اور پھر ان سے اوپر عرش ہے جہاں سے عرشِ الٰہی شروع ہوتا ہے اور جس مقام کو اصطلاح صوفیہ میں مقامِ احدیت کہا جاتا ہے وہ آسمان اوّل سے چھتیس ہزار سالہ راہ ہے یعنی زمین سے پچاس ہزار سالہ راستہ۔ جس طرح آسمان ساری دُنیا کو محیط ہے اسی طرح عرش آسمانوں کو محیط ہے اور مرکز زمین مرکز سمیت عرش تک جو کچھ ہے یہ عرش کے سامنے ایسے ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگوٹھی ڈال دی جائے یہ وسعت پہلے عرش کی ہے جبکہ دوسرا عرش اپنی وسعت میں پہلے عرش سمیت ساری کائنات سے اسی طرح وسیع ہے تا آنکہ نو عرش ہیں اور نواں عرش آٹھ عرشوں سمیت ساری مخلوق کو اپنی گود میں اسطرح لئے ہوئے ہے جیسے کوئی صحرا کسی انگشتری کو۔ ان فاصلوں کو جاننا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کسی کو استقدر وسیع نگاہ دے تو قادر ہے اور اس کی عطا سے ممکن ورنہ ساری ساری عمریں محنت پہ صرف کر کے منازلِ عرش تک پہنچنا ہر ایک کو نصیب نہ ہوا اور بہت کم صاحبِ حال عرش میں قدم رکھ سکے پھر نو عرش تو بہت بڑی مسافت کا نام ہے نویں عرش کی چھت عالمِ خلق کی انتہا ہے۔ اس سے آگے عالمِ امر ہے مخلوق کا وہاں گزر نہیں سوائے اسکے جو متعلق ہی عالمِ امر سے ہو کوئی وہاں پَر نہیں مار سکتا یہ صرف

روح ہے جو اسی عالم سے ہے اور جس کو وہاں جا کر ہی چین نصیب ہوتا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عالم امر میں پہنچنے والا مردِ خدا بمشکل گھر پہنچ پایا اصلی ترقی اس سے آگے ہے اور یہاں حال یہ کہ عالم امر میں پہنچنا ہی بہت کم نصیب ہے۔ اگر کوئی چاہے تو متحدہ ہندوستان کے اولیائے کرام کو گن لے بمشکل آٹھ دس حضرات کی رسائی عالم امر میں ہے جیسے شہباز قلندر۔ بوعلی قلندر۔ خواجہ معین الدین اجمیری۔ حضرت علی الہجویری المعروف داتا صاحب۔ حضرت علی الہجویری جو شاہی قلعہ لاہور کے نیچے دفن ہیں غالباً تعمیرِ قلعہ کے وقت قبر مبارک نیچے آگئی جو اس وقت معدوم ہو چکی ہو گی۔ بھیرہ ضلع سرگودھا میں ایک ہستی زمانہ قدیم سے دفن ہے جو سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو کر کنوئیں میں پھینکے گئے اب ان پر آبادی ہے۔ ریاست دیر میں ایک ہستی دفن ہے ایک سید نذیر علی شاہ ہیں جو آزاد کشمیر میں دفن ہیں اور سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانی کے خلفاء میں سے ہیں۔ اس سرزمین پر سب سے بلند منازل انہی کے ہیں۔ یا کوئی اور بھی ہو جس تک میری کمزور نگاہ نہ پہنچ پائی ہو۔ بہر حال گنتی کے افراد عالم امر میں قدم رکھ سکے باقی تمام اہل اللہ اسی طرف رواں رہے یہاں خدانخواستہ کسی کے شان کو کم کر کے دکھانا نہیں بلکہ عالم امر کی بلندی کا اظہار ہے ورنہ میں خود کو تمام اہل اللہ کی خاکِ پا سے کمتر جانتا ہوں غرض جہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے وہاں سے انوارات ذاتِ باری اور تجلیاتِ ذاتی بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر اس میں سے گزرتے ہوئے دوسری طرف عالم امر سے جا ملتے ہیں۔

اب اس سے آگے چلیں تو عالم امر کے دوائر شروع ہوتے ہیں جو تقرب، توکل، صبر، تسلیم، خُلّہ، محبت، محبوبیت، المحبوبیت وغیرہ ذالک کے ناموں سے موسوم ہیں۔ ان میں کا پہلا دائرہ یعنی مقام تقرب نو عرشوں اور اور ساری مخلوق کے مقابلے میں اس قدر وسیع ہے جیسے صحرا انگوٹھی کے مقابل اور دوسرا پہلے دائرے سمیت سب سے اس قدر بڑا غرض ہر اوپر والا دائرہ اسی نسبت سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔ انیسواں دائرہ حقیقت کعبہ کا ہے اور وہاں سے ذاتی تجلیات ایک نوری ستون کی شکل میں بیت اللہ پر وارد ہو کر دوسری طرف آسمانوں عرشوں سے گزرتی عالم امر کے دوائر کو طے کرتی ہوئی دائرۂ حقیقتِ کعبہ سے جا ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ تمام انبیاءؑ کی محبوب ترین جگہ رہا ہے جن کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان کو بھی بیت اللہ سے محبت اپنی جگہ پر تھی اور بیت المقدس کی تعظیم اپنی جگہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر انبیاء جن کی قومیں تباہ ہوئیں ہجرت کر کے یہاں آگئے اور اس بے آباد صحرائی پہاڑی کے طواف کرتے رہے جہاں کعبہ کی بنیادیں تھیں یہیں فوت ہوئے اور زمانے کی ہواؤں نے گرد اڑا اڑا کر ان نورانی پیکروں کو دفن کرنے کا اہتمام کیا۔

اگر دیکھا جائے تو صرف مطاف کے نیچے تقریباً ننانوے ۹۹ نبی دفن ہیں جو اسی طرح آئے واصل بحق ہوئے اور ہوا نے ان پر مٹی ڈال دی جو قدرتی عمل تھا رفتہ رفتہ دفن ہوتے رہے ۔میری ناقص رائے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کعبۃ اللہ سے محبت کی زیادتی کا بڑا سبب یہی تھا یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جہاں تصویر یا بت ہو وہاں شیطان کا ٹھکانہ ہوتا ہے اور رحمت متوجہ نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کی نحوست ہوتی ہے اور جس مکان میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوں اور پھر ان کی پوجا بھی کی جاتی ہو انہیں حاجت روا اور معبود سمجھا جاتا ہو ان کے آگے سجدے کئے جائیں ان پر نیازیں چڑھائی جائیں تو وہاں کیا حال ہو گا مگر اس سب کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ قبل بعثت کی زندگی اور تیرہ سالہ بعثت کے بعد کی مکی زندگی تقریباً وہیں گزری کہ عبادت بھی وہیں فرماتے اور اکثر دن کا آرام بھی بیت اللہ کے سائے میں ہی کرتے تو کیا ان بتوں کی وجہ سے آپؐ کو کراہت نہ ہوتی تھی اس کا جواب صاف ہے کہ تجلیاتِ باری وہاں اس طرح متوجہ ہیں کہ جیسے سمندر موجزن وہاں چند تنکے پھینک دینے سے نہ ذائقہ متاثر ہوتا ہے نہ رنگ اور یہی حال اب بھی ہے کہ گو بتوں سے خالی ہے مگر بدکاروں سے تو پُر ہے اکثر لوگ حج کے نام پر پکنک مناتے ہیں مگر کیا مجال کہ اس کی روشنی میں فرق آئے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہاں سے بدی کو مٹانا ضروری ہے کہ اللہ کے گھر میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو مگر کوئی فعل اس کی نورانیت میں فرق نہیں لا سکتا یہ سب باتیں تو شاید کم لوگوں کیلئے لکھی گئیں مگر اتنا تو ہر آدمی جان سکتا ہے کہ وہاں داخل ہونے والے ہر مسلمان کو ایک خاص حضوری حاصل ہو جاتی ہے اور وہ دنیا اور مخلوق سے بے پرواہ ہو کر اللہ سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے۔ عام آدمی سے لیکر بادشاہ تک رو رہے ہوتے ہیں۔ ڈھاڑیں مار مار کر اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ رہے ہوتے ہیں اور ذرا خیال نہیں کرتے کہ کوئی کیا کہے گا۔ بھئی کون کسی کو کہے گا سب کا یہی حال ہوتا ہے تو اطاعتِ الٰہی میں حضورؐ اور آپؐ کے جاں نثار نماز تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے مگر آپؐ کے دل میں یہ آرزو تھی کہ اللہ ہمارا قبلہ بیت اللہ شریف کو مقرر فرما دے سو اللہ نے مسلمانوں کو یہ شرف بخشا مگر بعد ہجرت مدینہ منورہ میں بھی تقریباً سولہ ۱۶ مہینے گزرنے کے بعد۔ اب نا اہلوں کو طعنے کی سوجھی انہیں ان باتوں سے کیا مَس اور اس حال کی کیا خبر۔ سو اللہ نے ان کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ استقبالِ قبلہ سے خود مقام قبلہ کو سجدہ کرنا تو مقصود نہیں بلکہ ایک سمت یا مرکز ہے۔ معبود تو اللہ ہے اور ہم کو اسی کی اطاعت کرنا ہے جدھر

اس نے حکم دیا ادھر رُخ کر لیا کہ تمام سمتیں اسی کیلئے ہیں اور وہ ہر جا موجود ہر آن موجود ہے یہ تو اسکی عنایت ہے کہ بندوں کو ایک مرکز بخش کر تشتت و افتراق سے بھی محفوظ فرمایا اخوت اسلامی کا عملی ظہور بھی ہوا یکجہتی اور یک رنگی بھی نصیب ہوئی اور اس مرکز کے فیوضاتِ روحانی و باطنی بھی جو اصل مقصود ہیں حاصل ہوئے تو وہ کسی جگہ کی ذاتی خوبی نہیں بلکہ اللہ کی مرضی جس کو جو چاہے بخشے اور جس قوم کو جو قبلہ پسند فرمائے عطا کرے وہ سمتوں کا پابند نہیں اس کی ذات اس سے بالاتر ہے یہ بات تو سادہ سی ہے مگر راہ ہدایت ہے نیکی کی بات ہے اور سیدھی بات اسی کو سمجھ آتی ہے جسے اللہ توفیق ہدایت دے اگر وہ فہم سلیم ہی عطا نہ کرے تو سیدھی بات بھی ٹیڑھی نظر آتی ہے یہاں کوئی یہ نہ سوچ لے کہ ہدایت تو اللہ نے عطا فرمائی ہے اب میرے بس میں کچھ نہیں اللہ نے اس کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے کہ یہدی الیہ من ینیب۔ یعنی جس کے دل میں اللہ کی طلب یا ہدایت کی خواہش پیدا ہو اللہ اسے ہدایت دیتا ہے اگر کوئی چاہے ہی نہیں تو زبردستی ٹھونسنا ربوبیت کی شان نہیں کہ ہدایت عطا فرمانا بھی تو اس کی ربوبیت کا خاصہ ہے سو جہاں طلب ہو گی وہاں بفضلِ اللہ ہدایت بھی ضرور ہو گی اور جو دل طلب اور انابت ہی سے خالی ہونگے وہاں ہدایت کا وجود بھی عنقا

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ...... الی ..... وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

اور اے جماعتِ مومنین ہم نے تو تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے یعنی ان کو صرف تحویل قبلہ کا اعتراض سوجھا اور بڑی لے دے کرتے ہیں کہ معاذ اللہ مسلمانوں کا نبی دین کے معاملہ میں حیران ہو گیا یا مشرکین کا قول کہ اب مسلمان ہمارے قبلہ کی طرف پلٹے آہستہ آہستہ ہمارا ہی دین قبول کریں گے یا یہود کا الزام کہ مسلمانوں نے حسد کی وجہ سے قبلہ تبدیل کر لیا ہے مگر ان کی نگاہِ نارسا اور باتوں کو نہ جان سکی حالانکہ تمام امور میں یہ امت اعتدال پر رکھی گئی ہے کہ ایمانیات تو ہمیشہ سے ایک ہی تھے اور ایک ہی رہیں گے توحید باری۔ حیات بعد الموت۔ حشر و نشر۔ جنت و دوزخ یا فرشتے اور جن یہ سب حقائق اور انبیاء کی نبوت پر ایمان تو ہر دیندار قوم میں رہا مگر رضائے باری کے حصول کے طریقے ہر امت کے اپنے تھے کفار نے تو ایمانیات میں بھی کبھی خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کیں تو دوسروں نے اسے دیوتاؤں کا محتاج بنا دیا کسی نے اس کو بتوں میں ڈھونڈھنا چاہا تو دوسروں نے انسانوں میں اس کا حلول مان لیا لیکن اس امت نے ان تمام افراط و تفریط کی راہوں سے جدا راہ صداقت کو واضح کیا

کہ اللہ کی عظمت اور ذات وصفات میں اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا انبیاء کا مقام پہچانا۔ صحابہ اور اولیاء اللہ کو ان کے اپنے مقام پر تسلیم کیا نہ یہ کہ ان کی عظمت کا انکار کیا اور نہ ان کو بڑھا کر خدائی میں حصہ دار بنایا جیسا کہ پہلے سے گمراہ فرقے کرتے چلے آرہے تھے انکار دیکھو تو انبیاء کو قتل کرتے تھے اور اقرار پر آئے تو بندوں کو خدا مان لیتے مگر اس امت نے اعتدال کی راہ اپنائی اور صاف ستھرے عقائد اہلِ عالم کے سامنے رکھے عبادات میں اہلِ باطل کو کہنا ہی کیا ہے کہ ایک انسان کی پوجا کرتے اور دوسروں کے بچے ذبح کر دیتے تھے یا ہندوستان کو لیں تو ایک طرف عورت کو خاوند کی نعش کے ساتھ جلا دینا عبادت اور دوسری طرف جانور کو ذبح کرنا ظلم کہ یہ گاؤ ہتیا ہے یا کیڑوں کو بچانے کیلئے پاؤں تلے گدیاں باندھ لینا اسی طرح مذاہبِ عالم میں بھی عبادات کیلئے رہبانیت اور تنہائی کی زندگی اور جنگلوں میں چلے جانا یا پھر عبادات چھوڑ کر محض ایسے لوگوں کی زیارت ہی پر بیٹھ رہنا مگر اسلام نے عبادات میں بھی راہِ وسط اپنائی کہ علی الصبح اللہ کے سامنے سجدہ ریز پھر اپنے کاروبار اور امورِ دنیا داری پر لگ گئے دوپہر کو کاموں میں سستانے کی چھٹی ملی تو ظہر کی نماز ادا کی یعنی اللہ کی بارگاہ کی حاضری نصیب ہوگئی جب چھٹی کا وقت آیا کام بند ہوئے تو عصر کی حاضری دن چھپا تو اختتام روز پر سجدہ نصیب اور رات سونے کو چلے تو عشاء پڑھ کر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر یعنی امورِ دنیا بھی پوری طرح انجام پاتے رہے اور مسلسل بارگاہِ الٰہی میں حاضری بھی ہوتی رہی اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے حصول کیلئے کبھی رہبانیت کی ضرورت پیش نہ آئی کہ صحابہ جو امت میں سب سے افضل تھے تمام کام انجام دیتے تھے اور اولیاء اللہ کی صف میں فقہ کے سب لوگ عام انسانی زندگی گزارتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ جیسے لوگ تجارت کرتے اور امام احمدؒ جیسے حضرات اپنی کھیتی بوتے تھے۔ شیخ عبدالقادر گیلانی جیسے صوفیاء کے سرتاج درآمد برآمد کا کاروبار کرتے رہے اور حضرت عبیداللہ احرار جیسے حضرت زمینداری کرتے تھے کہ آپکے ایک سو ہل زمین میں چلتے تھے حالانکہ مشائخ سلسلہ میں سے تھے اور نسبتِ اویسیہ کے بہت بڑے امین تھے مگر بہت اعلیٰ زندگی گزارتے تھے کہ ؎ چوں فقر اندر عبائے شاہی آمد۔ زتدبیر عبید الٰہی آمد۔

پھر یہود و نصاریٰ یا ہنود کی طرح یا مشرکینِ عرب کی طرح کوئی طبقہ کسی خاص عبادت یا منصب کیلئے مخصوص نہیں ہر مرد و عورت بلا تفریق رنگ و نسل تمام کمالات حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح

معاشیات میں نہ تو بھوکا مرنے کی تلقین کہ بس جنگلی پھل کھا کر بسر کرو اور نہ یہ حال کہ محض دنیا پر فریفتہ ہو جاؤ۔ دولت کمانے کی اجازت مگر دوسروں کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی ہاتھ آئے اور شانِ فقر بھی قائم رہی اور دین پر اور سُنّتِ خیر الانام پر کٹ مرنے کا جذبہ بھی بدرجۂ اُتم موجود نہ دولتمند کو لوٹنے کی اجازت نہ اس کو دولت چھپانے کا حکم بلکہ ایک خاص حصہ اس کے مال میں غربا و مساکین کا رکھا گیا کہ نہ اس پر بار ہو نہ غریب خالی ہاتھ رہے۔ حکومت و سلطنت کے ساتھ زہد و تقویٰ کی آمیزش اسی امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ اسی طرح ازدواجی تعلقات میں کہیں بالکل شادی نہ کرنا افضل تصور ہوتا تھا تو کہیں دس دس بلکہ سَو سَو عورتیں ایک آدمی کی بیویاں نظر آتی تھیں۔ اسلام نے اس میں اعتدال پیدا فرمایا کہ نہ صرف ہندوؤں کی طرح ایک بار ہی شادی پر پابند کر دیا اور اور نہ ہی کثرتِ ازدواج کو غیر محدود رکھا بلکہ عدل کی شرط کے ساتھ چار تک اجازت بخشی جو ایک صحت مند انسان کو اس کی فطرت کے مطابق سہولت بھی مہیا کرتی ہے اور عورتوں کے حقوق بھی ادا کرنے کا پابند بناتی ہے کہ اگر ایک انسان ایک بیوی پر بسر نہیں کر سکتا تو بجائے بدکاری میں ملوث ہونے کے شادی کرے مگر بیویوں کے حقوق کی نگہداشت کے ساتھ۔ اسی طرح امور سیاست و حکومت بھی ہوں اور عبادت و زہد بھی عین میدان جنگ میں دشمن کے حقوق کی حفاظت کا خیال بھی رہے۔ غرض عقاید ہوں یا عبادات معاشرت ہو یا معاملات، حکومت و سیاست ہو یا فقیری، تمام امور کو اس حسین طریقے میں پرو دیا ہے کہ ایک خوبصورت ہار بنا دیا ہے جو انسانیت کے گلے کی زینت ہے اور یہ اعتراض کرنے والے بیوقوف صرف تحویل قبلہ پر شور مچا رہے ہیں۔ ان کا کیا ہے یہ تمام باتیں جو انہیں اپنے سے مختلف نظر آتی ہیں یہ اُمت مرحومہ پر اللہ کے احسانات ہیں اور اس اُمت کو اُمتِ وسطیٰ یا عدل بنایا ہے یہاں سے محققین نے اجماع کا حجت ہونا ثابت فرمایا ہے کہ بحیثیت اُمت یہ اُمتِ عدل ہے کبھی ساری اُمت خلافِ عدل پر متفق نہیں ہو سکتی و نیز یہی عدل ہے جو تمہیں روزِ حشر تمام اُمتوں پر گواہ بنائے گا کہ جب قیامت قائم ہو گی اور دوزخ سامنے تو کفار چلا اُٹھیں گے کہ ہمیں اس غضب کی خبر نہ تھی ورنہ ایسے مظالم ہرگز نہ کرتے تو اللہ کریم پوچھیں گے کہ تمہارے پاس انبیاء تشریف نہ لائے تو وہ کہہ دیں گے کہ آئے تھے مگر یہ بات ہم کو نہ بتائی ورنہ ہم کیا اتنے بیوقوف تھے یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان دنیا میں کیسا بھی ہو برزخ میں جھوٹ نہیں بولتا ہمیشہ سچی بات کرتا ہے مگر میدان حشر میں کافر جان بوجھ کر

جھوٹ بولے گا۔ شاید برزخ میں فرشتوں کے سوال وجواب کے بعد جو سلوک ہونا ہے وہ وارد ہو جاتا ہے تو جھوٹ بول کر کیا کرے گا اور میدان حشر میں ابھی دوزخ کا داخلہ باقی ہے مگر دوزخ سامنے تو کوشش کرے گا کہ شاید کسی طرح جھوٹ چل جائے اللہ کریم جانتا خوب ہے مگر اتمام حجت فرمائے گا کہ انبیاء پر سوال ہو گا تو وہ عرض کریں گے بارِ الٰہا یہ غلط کہتے ہیں ہم نے تیرے احکام پہنچا دیئے بیشک اُمتِ محمدیہ سے پوچھ لیں کہ یہ اُمتِ عدل ہے تو یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ شہادت کیلئے عدل شرط ہے غیر عادل کی شہادت معتبر نہیں سو یہ اُمت پیش ہو کر انبیاء کی طرف سے گواہی دے گی کہ اللہ تیرے رسول نے ہمیں تیری کتاب دی اور یہ سب احوال ارشاد فرمائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہونگے وہ عرض کریں گے کہ اللہ بیشک یہ لوگ میری مان کر چلنے والے اور تیری کتاب کو ماننے والے ہیں تب فیصلہ انبیاء کے حق میں ہو گا۔ یہاں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ جس کو نبی پاک کی شہادت نصیب نہ ہوئی وہ آگے کہاں جائے گا اور آپ کی شہادت سے خلاف سنت بسر کرنے والے محروم ہو جائیں گے کہ عقائد و اعمال پر آپ کی منظوری کی مہر شرط ہے جیسے کھرے سکے پر حکومت کی مہر ضروری ہے جن لوگوں نے اسلام سے منہ موڑا اور عملی زندگی ترک کی اور فسادِ عقیدہ میں مبتلا ہوئے ان سے خود حضورؐ بیزار ہونگے کہ عرض کریں گے (رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا) کہ اللہ ان لوگوں کو میری اُمت کی صفوں سے نکال دے کہ انہوں نے اپنی زندگی سے قرآن کو خارج کر دیا تھا تب عظمتِ رسالت کا اندازہ ہو گا اور یہ کہ اطاعت کس قدر ضروری ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا ۔۔۔ الخ ۔۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۴۳)

اور یہ بات کہ پہلے قبلہ بیت المقدس کو کیوں بنایا یہ تو محض ان لوگوں کو سرِ میدان لانے کیلئے تھا جو حقیقتاً آپ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ جہاں رواج سنت کے مطابق پایا سنت کا ثواب کما لیا اور جب سنت اور رواج میں تصادم ہوا تو سنت کو چھوڑ دیا۔ اللہ تو خوب جانتا ہے مگر لوگوں کے سامنے بھی ان کے دعوائے اطاعت کا پول کھل گیا کہ رسوم تو ہر قوم کو عزیز رہی ہیں پھر جن رسومات میں مذہبی تقدس بھی شامل ہو جائے ان کی حالت اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے انہیں میں ایک بات بیت المقدس کا قبلہ ہونا بھی تھا جو مذہب حقہ تھا خدا کا حکم تھا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرف سجدہ ریز ہے اور آپکا بھی قبلہ رہا مگر جب ہادیٔ برحق کعبہ کو پھرے تو جو آپکا عمل سب سے بڑی

دلیل ہے کہ اب حق کعبہ کو قبلہ بنانے میں ہے۔ جن لوگوں کا ایمان اس درجہ میں تھا وہ ساتھ پھر گئے اور جو سابقہ روایات کو نہ چھوڑ سکے آپکی غلامی سے خارج ہو گئے اور مرتد ہوئے اور ان کی حالت بھی ظاہر ہو گئی اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ رواج تو محض رواج ہوتا ہے سابقہ ادیان بھی آپکی اداؤں پر قربان ہوئے مگر یہ نامراد رسومات اس قدر دلوں میں دھنس چکی ہوتی ہیں کہ انہیں چھوڑنا بہت مشکل و انھا لکبیرۃ یہ بہت بڑی بات ہے لوگ چھوڑ نہیں پاتے بلکہ بدعات کی تردید کرنے والا انکے فتوؤں کی زد میں ہوتا ہے جیسے ہمارے ملک میں رواج ہے کہ سُنت کی تلقین کرنے والے کو وہابی کہہ دو جو عوام کے نزدیک بہت بڑا جرم ہونے کی نشانی ہے اور حد ہے کہ نہ کسی ڈاکو کو وہابی کہیں گے نہ زانی کو نہ شرابی کو اور نہ جوا کھیلنے والے کو یہ سب سُنی رہ سکتے ہیں مگر سُنت کی تلقین کرنے والا اس فتوے سے بچ کر کہاں جائیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو رواج عزیز ہیں اور سُنت سے وہ محبت نہیں جو رواج چھوڑا سکے مثلاً ہمارے علاقہ میں خلفِ جنازہ پنجابی کے شعر جن میں کلمہ طیبہ بھی شامل ہوتا ہے بلند آواز سے پڑھتے ہیں حالانکہ سُنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل میں کچھ پڑھتا ہوا چلے۔ اب ظاہر ہے کہ پنجابی تو حضورؐ کی زبان نہ تھی اور عربی میں بلند آواز سے خلفِ جنازہ کچھ ثابت نہیں تو یہ ایک رواج ہے جس کو اگر ضروری جانو تو بدعت بن جائیگا مگر حال یہ ہے کہ منع کرنے والے کو وہابی کا خطاب ملے گا خود چھوڑیں گے نہیں۔ یہی حال بیاہ شادیوں میں تو کثرت سے ہے۔ جس قوم نے میّت کو سُنت کے مطابق دفن کرنے کا اہتمام نہ کیا شادی پر کیا کچھ نہ کرے گی مگر یہ بدنصیب صرف محبتِ رسول کے دعویدار ہیں ورنہ ان کے اعمال جن میں آپ کی اطاعت کا رنگ نہیں ان کی قلعی کھول رہے ہیں اور ان بدعات سے جان چھڑانا آسان نہیں۔ صرف ایک صورت ہے کہ اللہ کریم ہدایت بخش دے جسکی راہیں وہ کشادہ کر دے اس کوئی روک نہیں سکتا نیز جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ہدایت کا مدار انابت پر ہے جو اگر یہاں ہوتی تو سُنت کیوں چھوٹتی اور اللہ ایسا نہیں کہ تم سُنتِ خیر الانام اپناؤ اور وہ تمہیں اس کے اجر سے محروم رکھے۔ وہ تمہارے ایمان کو کبھی ضائع کرنے والا نہیں۔ یہاں اعمال ہی کو ایمان کا نام بخشا ہے اور صرف ان اعمال کو جن کی گواہی حضورؐ دینگے کہ اس کا یہ فعل میری اطاعت ہے اس میں خواہ کسی نے بیت اللہ کے منفرد ہونے سے پیشتر اس جہان سے کوچ کیا تو کیا ہوا آخر اطاعت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتا تھا جس کا اجر اللہ کے پاس ہے جو ضائع ہونے والی دولت نہیں بلکہ اللہ تو لوگوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ وہ تو اجر کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا۔ اصل بات اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہے جس پر وہ لوگ کاربند تھے اور جو اصلی سکّہ ہے آخرت کا۔

یہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ...... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۴) ہم تو آپ کے شوق کی شدت کو دیکھ رہے ہیں نہ بار بار رُخِ انور آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ شاید فرشتہ تحویلِ قبلہ کا حکم لے کر آرہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے ایک گونہ الفت تھی کہ روئے زمین پر اس جیسا دوسرا مقام نہیں اور جو تجلی ذاتی یہاں جلوہ ریز ہے وہ عرش کو بھی نصیب نہیں بلکہ اس سے بہت بالاتر کی بات ہے جس کی طرف گذشتہ سطور میں اشارہ ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن انبیاء کا قبلہ بیت المقدس رہا عظمتِ کعبہ ان کے قلوب میں بھی موجزن رہی۔ یہاں ایک بات اور بھی ظاہر ہے کہ اُمتِ مرحومہ کا قبلہ تو بیت اللہ ہی کو بنانا منظور تھا مگر اس کا سبب آپؐ کی دعا کو بنا دیا جیسے حضورؐ کی تشریف آوری یقینی تھی کہ کُنتُ نبیاً و آدم بین الماءِ والطین او کما قال شاہد ہے مگر دعا ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسباب میں شامل فرمایا ایک تو سُنّت رہی ہے کہ دنیا میں ہر کام کا ظہور کسی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے اور دوسرے دعا مانگنے والے کی عظمت اس بات یا شیئ یا ہستی کی عظمت کا ثبوت بنتی ہے نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ دعا بھی تقدیر ہے اور ازل سے مقرر شدہ اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ سو آپ کا بار بار شوق سے آسمان کی طرف متوجہ ہونا ہم ملاحظہ فرما رہے تو ضرور آپ کی تمنا بر آئے گی اور جس طرف آپ راضی ہیں اسی سمت کو قبلہ مقرر فرما دیا جائے گا کہ یہ بات بھی لوگوں پہ عیاں ہو کہ رضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رضائے باری ہے اور آپ کی اطاعت سے نکل کر اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ تصوف و سلوک بھی سُنّتِ خیر الانام کا نام ہے جو اتباعِ سُنّت میں خلوصِ قلبی پیدا کرنے کیلئے کی جائے نہ کہ خلافِ سُنّت امور کا سو آپ اپنا رُخِ انور مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں نیز یہ صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ آپ کی پوری اُمت جہاں کہیں بھی ہو خواہ بیت المقدس میں بھی ہو تو رُخ اسی سمت کو پھیر لے اور نماز اسی طرف منہ کر کے ادا کرے۔ یہاں بیت اللہ نہ فرما کر آسانی پیدا فرما دی کہ بیت اللہ صرف ایک مکان ہے اور اس طرف رُخ تو وہاں تک ہی کیا جا سکتا ہے جہاں تک وہ سامنے ہو بلادِ بعید میں محال ہے اور مسجد حرام ایک وسیع جگہ ہے شہر سے کسی سمت تو پندرہ سولہ اور کسی سمت آٹھ سات میل باہر تک حدِ حرم ہے جو سب مسجد حرام ہے پھر عین اس کی طرف بھی ضروری نہیں بلکہ شطر المسجد الحرام ہے یعنی اس کی سمت کو جیسے آپؐ کا ارشاد ہے کہ قبلہ مغربین کے درمیان ہے یعنی مدینہ منورہ کی سمت جنوب اسی طرح یہاں ہند و پاک میں مغرب سمتِ قبلہ ہو گی اور مغرب صیف و شتا کے درمیان ۴۸ ڈگری سمت قبلہ ہے

یعنی اگر ۲۴ ڈگری کا فرق بھی کسی ایک طرف ہو جائے تو سمتِ قبلہ فوت نہ ہوگی چہ جائیکہ معمولی فرق کی بنا پر مساجد کو اکھیڑ دیا جائے جیسا بعض اوقات ہوتا رہا ہے۔ سو اللہ کریم نے اس بات میں بہت زیادہ آسانی فرما دی ہے کہ جنگل میں ہو یا شہروں میں شمالی ممالک ہوں یا جنوبی مشرق کا کوئی ملک ہو یا مغرب کا اپنا رخ وقت نماز مسجدِ حرام کی سمت کو کر لو۔ رہ گئے اہلِ کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم تحویلِ قبلہ کا بھی حق ہے اور ربوبیتِ باری کا مظہر کہ روحِ زندگی کا سبب ہے نیز پہلے سے ان کی کتاب میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ بیت اللہ کو مقرر کیا جائے گا۔ یہ تو محض عناد و عناد ہے جس کی وجہ سے یہ مان نہیں رہے اور ان کے یہ کرتوت اللہ سے چھپے ہوئے نہیں خوب دیکھ رہا ہے اور ان سے سمجھ لے گا۔ ولئن اتیت الذین ...... اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴۵)

جب حال یہ ہے کہ جانتے ہیں مگر عناداً تسلیم نہیں کرتے تو اب یہ دلائل سے قائل نہ ہوں گے۔ آپ جس قدر دلائل دیتے رہیں یہ آپ کے قبلہ کو تسلیم نہ کریں گے مگر یہ لوگ بھی جان لیں کہ اب آپ کا قبلہ ہمیشہ یہی رہے گا اور آپ آئندہ ان کے قبلہ کی طرف منہ نہ کریں گے اس طرح یہ اعتراض بھی پا در ہوا ہوا کہ مسلمان قبلہ کے معاملہ میں حیران ہیں اور خود ان کی یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا یہود ایک سمت کو قبلہ بتاتے ہیں تو نصاریٰ دوسری کو۔ نیز یہ بھی عجیب بات ہے کہ کفار کبھی ایک عقیدہ پر متفق نہیں پائے جا سکتے بلکہ ہر فرد کسی نہ کسی طرح دوسرے سے جداگانہ خیالات رکھتا ہے چونکہ کفر کی بنیاد محض خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کو ایک مذہبی تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے سو ہر شخص اپنی ایک رائے قائم کر لیتا ہے سو یہ لوگ خود تشتت و افتراق کا شکار ہیں اور اگر اے مخاطب تو ان کی خواہشات اور ان کے نفسانی خیالات کو مان لے حالانکہ وحیِ الٰہی نے جو قطعی ہے ان کا پول کھول دیا ہے تو پھر تو بھی بڑا ظالم ہے اور سخت بے انصاف کہ اللہ کا حکم چھوڑ دیا اور محض خواہشاتِ نفس کی تکمیل کو مقصد بنا لیا تو پھر ان لوگوں میں جنہوں نے کتاب کو بدلا خود نہ بدلے اور تجھ میں کیا فرق ہے یہاں میں نے اے مخاطب مراد لیا ہے کہ یہ خطاب ساری انسانیت کو ہے کہ اگر حضورؐ کو خطاب مانا جائے تو بھی بطور فرضِ محال کے ہے دراصل سنانا امت ہی کو مقصود ہے اور آپؐ کو خطاب کرنے سے اس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ اگرچہ حضورؐ سے اس کا صدور کسی طرح ممکن نہیں لیکن اگر آپؐ بھی کر گزریں تو اس کے وبال سے بچ نہ پائیں چہ جائیکہ کوئی اور۔ یہ آج کے مسلمان کیلئے لمحۂ فکریہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ ...... فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (۱۴۷) اور یہ اہلِ کتاب آپ کو بہت اچھی طرح پہچانتے ہیں بلکہ ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو کہ ان کی کتب میں آپؐ کے جملہ اوصاف

کمالات اس خوبی سے بیان ہوئے ہیں کہ پہچان نہ سکنے کا تو سوال ہی نہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد پر کبھی دھوکا نہیں کھاتا۔ اسی طرح انہوں نے آپؐ کو پہچان رکھا ہے جس کی وجہ سے بعض کو تو دولتِ ایمان نصیب ہوئی مگر اکثر اظہارِ حق سے کنی کترا گئے اور حق کو چھپا لیا کہ ان کے اپنے اقتدار کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ اگر ہم حضورؐ کی تصدیق کرتے ہیں تو پھر جو لوگ ہمارے پیچھے ہیں وہ تو ادھر چلے جائینگے ہماری آمدن اور ذاتی وقار متاثر ہوگا سو انہوں نے آپؐ کا انکار کر دیا اور اوصافِ حمیدہ جو اُن کی کتب میں موجود تھے ان کو ظاہر نہ کیا حالانکہ خوب جانتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم غلط کر رہے ہیں یہی حال آج بھی اکثریت کو حصولِ فیض سے روکے ہوئے ہے بعض لوگ جب کسی طرح سے مقتدا بن جاتے ہیں خواہ واقعی خواہ بزعم خویش تو گو وہ جانتے بھی ہوں کہ فلاں شخص صاحبِ کمال ہے اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اگر ہم اس کے پاس گئے تو یہ وقار کی عمارت سلامت نہ رہے گی۔ پھر اپنے فعل کے جواز کیلئے اس شخص کی تردید شروع کر دیتے ہیں لیکن اے مخاطب تو مت گھبرا کہ یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے یہاں مَنْ رَّبِّکَ فرمایا کہ جس طرح اس کی ربوبیت نے سورج چاند ستارے ہوا بادل بارش کھیتی سبزہ جانور اور پرندے بدن کی تعمیر کیلئے پیدا فرمائے ہیں اسی طرح نزولِ وحی روح کی حیات کا سبب ہے۔ یہ اسکی غذا بھی ہے اور دوا بھی یہی اس کی زندگی ہے اور اس کے بغیر اس کی موت سو محض ان کے بودے اعتراضات کی وجہ سے وحی الٰہی میں ادنیٰ سا شک بھی مناسب نہیں یا کفر کی اکثریت اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حق پر بھی ہیں بلکہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا کہ وہی رب ہے اور یہی کا ارشاد حق ہے۔ ان کے پاس بھی اگر کتب سماوی ہیں تو وہ اس وقت کیلئے تھیں جو ان کا مقررہ تھا جب قرآن کریم نازل ہوا تو اب ہمیشہ کیلئے ضابطۂ حیات یہی ہے پہلی کتب اگر اصلی صورت میں موجود ہوں تو بھی منسوخ ہو گئیں یہاں تو انہوں نے ان کو تحریف سے بھر دیا سو ان کی بات کسی طرح قابلِ توجہ نہیں۔

رکوع ۲ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۙ

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ ط

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝

ترجمہ:

اور ہر شخص (ذی مذہب) کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ (عبادات) میں منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں لگا ہو کرو۔ تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو حاضر کردیں گے۔ بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے۔ اور یہ (حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور) من جانب اللہ ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھئے اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے۔ مگر ان میں جو (بالکل ہی) بے انصاف ہیں تو

ایسے لوگوں سے (اصلاً) اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور تاکہ تم پر جو کچھ (میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو۔ جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (و احکام) پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الہٰی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔ پس (ان نعمتوں پر) مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکر گذاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

اسرار و معارف :

رکوع ۲ –

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا .... عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۴۸)

سب قوموں اور جملہ مذاہب کیلئے کوئی نہ کوئی نقطۂ اتحاد ہے افکار و خیال کیلئے بھی اور عبادات و اعمال کیلئے بھی۔ کسی نے اس کو رنگ و نسل کی حد بندی سے واضح کیا ہے تو کسی نے محض طاقت کو اپنا قبلہ بنا لیا جیسے آجکل مغرب میں سفید فام ہونا ہی معاشرے میں جگہ پانے کا سبب ہے اور سیاہ فام خواہ ان کا مذہب بھی قبول کرلے ان کے دل میں جگہ نہیں پا سکتا یا ہندو ازم کہ جو شے اپنے سے طاقت یا محض جسامت میں بھی بڑی نظر آئی وہاں سر جھک گئے خواہ کوئی بڑا پہاڑ ہو یا دریا درخت ہو یا جانور اسی طرح "ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے" کسی نے جغرافیائی حدود کو اور کسی نے محض مخصوص خاندانوں میں پیدا ہونے کو وجہ اتحاد قرار دیا۔ اب یہ تمام غیر اختیاری چیزیں بجائے انسانیت کو کسی وحدت پر جمع کرنے کے بہت سی کثرتوں میں بانٹنے کا سبب بن گئیں۔ مگر دین حق نے ہمیشہ اور ہر دور میں خیال و فکر کو توحید و رسالت پہ جمع فرمایا اور ظاہری نقطہ اتحاد قبلہ کو قرار دیا جہاں بلا تمیز رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و ملک سب انسان بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور دنیا کے گوشے میں بھی ہو وقتِ نماز سب کا رُخ ایک طرف ہوتا ہے جیسے سب کے دل ایک تار میں پروئے گئے ہیں ویسے ہی سب کے چہرے بھی ایک سمت تو ہونگے اور یہ اختیاری ہے کہ مرد عورت پڑھا لکھا یا اَن پڑھ گورا ہو یا کالا سب اختیار کر سکتے ہیں اور یہ ظاہری و باطنی اتحاد فکر و عمل ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس کیلئے ہر مکتب فکر نے کوشش کی ہے بالکل اسی طرح اسلام نے بھی ایک سمت عطا فرمائی ہے اور اس میں کوئی انوکھی بات نہیں سو اس بحث میں پڑنا تو وقت کا ضیاع ہے جو گزر رہا ہے سو تم اطاعتِ الٰہی اور عباداتِ الٰہی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر محنت کرو۔ یاد رہے کہ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو اس

سے بات کرنا تو ضروری ٹھہرا لیکن اگر کوئی محض کج بحثی کرنا چاہے تو اس سے مناظرہ درست نہیں سوائے اسکے کہ کسی شخص کی باتوں یا اسکے دعووں سے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہو تو اسکا تدارک ضروری ہے کہ سرِ میدان اسکی سفاہت عیاں ہو جائے۔ اس کام کیلئے اہلیت شرط ہے نا اہل اُلٹا دینداروں کو بدنام کرے گا۔ سو محض اپنا سکّہ جمانے کیلئے زوردار بحثوں میں نہ پڑو بلکہ یہ زور اللہ کی اطاعت پر صرف کرو اور یہاں ایک دوسرے پہ سبقت لے جاؤ کہ بالآخر تمہیں اللہ ہی کے ہاں جمع ہونا ہے۔ تم جہاں اور جس حال میں ہوگے اللہ تمہیں یکجا کرے گا یہ اس کیلئے کچھ مشکل نہیں کہ مرنے کے بعد اگر کوئی جل گیا یا درندے کھا گئے یا کسی طرح بھی اس کے اجزا منتشر ہو گئے تو اس قدر منتشر نہیں ہو سکتے جس قدر پیدا ہونے سے پیشتر تھے کہ روئے زمین کے دانے دانے میں اور ہر خوشے اور ہر پھل میں کسی نہ کسی جسم کے اجزا موجود ہیں جو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ کر اُس کی غذا بن کر وجود کا حصہ بنتے ہیں اور نطفے سے لیکر مرنے تک اس بدن کی تعمیر شروع رہتی ہے تو مر کر اس قدر نہیں بکھر سکتا جتنا پیدا ہونے سے پہلے تھا سو اللہ کو ہر طرح کی قدرت ہے وہ تم سب کو یکجا فرمائے گا بجائے دنیاوی وقار کے اخروی سربلندی تلاش کرو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ . . . بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۱۴۹) سو آپ کہیں بھی ہوں سفر پہ بھی نکلیں تو وقت نماز رُخ مسجد حرام کی طرف رکھا کریں یعنی سفر و حضر میں ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کا قبلہ اب یہی ہے اور یہ اور یہ دینِ اسلام اور اس کے جملہ احکام حق ہیں آپکے پروردگار کی طرف سے یعنی عبادات کوئی محض رسوم نہیں ہیں جیسے مذاہب باطلہ کہ ان کی عبادات رسوم سے زیادہ کچھ نہیں مگر اسلامی عبادات اللہ کی ربوبیت کا مظہر ہیں جس طرح جسم کی تعمیر کیلئے اس کی ربوبیت نے طرح طرح کے پھل میوے اور غذائیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح روح کی تعمیر کیلئے عبادات اس کی اغذیہ ہیں جیسے تمام غذاؤں میں غلہ اور پانی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح روح کی غذاؤں میں فرائض کی حیثیت ہے اور ان کے بغیر رُوح زندہ نہیں رہ سکتی۔ سنن و نوافل انکی زینت کا سبب ہیں جیسے لوگ محض غلہ نہیں پھانکتے بلکہ طرح طرح کی مزیدار ڈشیں بناتے ہیں اسی طرح فرائض کے ساتھ سنن و نوافل ملکر رُوح کیلئے لذیذ غذا بنتے ہیں۔ ظاہر میں تو غریب ترین آدمی بھی محض دانے نہیں چباتا اس کی روٹی تو بناتا ہی ہے گھر پہ میسر نہ ہو تو لسّی مانگ کر لے آتا ہے اور زیادہ نہ کر سکے تو چٹنی اچار تو بنا ہی لیتا ہے اس طرف یہ عالم ہے تو ادھر غفلت کیوں وہ بھی تو تمہارے رب کی طرف سے ہے یعنی مظہرِ ربوبیت ہے سو عبادات وہی مظہرِ ربوبیت ہوں گی جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہوں۔ یہاں ایجاد سے کام نہیں چل سکے گا۔ سو یہ دینِ حق آپکے رب کی طرف سے ہے اب یہاں اس گھبراہٹ کی ضرورت بھی نہیں کہ لوگ تو صبح تک سوتے ہیں ہمیں

علی الصباح بیدار ہونا پڑتا یا لوگ عیش کرتے ہیں اور ہم پہ اخلاقی حدود نافذ ہیں یا لوگ کھاتے پیتے اور ہم روزہ رکھتے ہیں بعض یہ آپ لوگوں کیلئے نہیں کرتے یہ اللہ کی اطاعت کرتے ہو جو ہر حال میں تمہارا نگران ہے اور ذاتی طور پر تمہاری کارکردگی کو ملاحظہ فرما رہا ہے جو نہیں کرتے وہ بھی اس سے اوجھل نہیں ہیں اور جو کرتے ہیں وہ ان کے حال سے بھی باخبر ہے کرنے والوں کے دلوں کو سوز بخشتا ہے اور ترک فرائض پہ روحانی موت مرتب ہو رہی ہے۔ یہ روزانہ نئے مذاہب کی ایجاد اسی بات کی غماز ہے سو وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۱۵۰) آپ جس طرف بھی نکلیں یہی نقطۂ اتحاد ہے وجود ظاہر کیلئے خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر مسلمان جہاں ہوں جس ملک میں ہوں جس حال میں ہوں فرد واحد ہو یا افراد کثیر وقت نماز تمہارے چہرے مسجد حرام کی طرف ہوں یہاں یہ بھی ظاہر ہوا کہ مسلمان جس حال میں بھی ہو اولاً فرائض میں کوتاہی نہ کرے اور نہ مبتلائے بدعات ہو بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پوری طرح بجا لانے والا ہو نہ اس کی سمت بدلے اور نہ افکار میں افتراق پیدا ہو نیز یہ بھی نہ ہو کہ تم فرائض ہی چھوڑ بیٹھو تو جس طرح تم مذاہب باطلہ کو محض رسومات کا پلندہ کہتے ہو لوگ تمہارے طرز عمل سے دین کی حقانیت پر طنز کریں کہ اسلام اگر واقعی دین ہے اللہ کا حکم ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں تو پھر ان کے ماننے والے ان اطاعت کیوں نہیں کرتے اور فرائض تک کی پرواہ نہیں رکھتے تو گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ معاذاللہ یہ بھی محض ایک فرقہ بندی کے سوا کچھ نہیں یا تم روز مرہ کے امور میں محض لوگوں کے طعنوں سے بچنے کیلئے ارکان دین کی پرواہ نہ کرو اور غیر شرعی رواجات میں مبتلا ہو جاؤ تو لوگو یا تم نے سمت بدل لی اور "ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ۔ کیں راہ کہ تو مے روی بترکستان است" کا مصداق بن گئے اول تو اسلامی اقدار ہی اعلیٰ ترین انسانی اقدار ہیں اور اگر کافر بھی ہوا تو ان اقدار پر طنز نہیں کرے گا مثلاً سچ بولنا ۔ جائز طریقے سے پیسہ کمانا ۔ بدکاری نہ کرنا ۔ بدکلامی سے اجتناب ۔ اللہ کی عبادت کرنا یہ سب ایسے امور ہیں کہ سوائے سخت بے انصاف اور ظالم لوگوں کے ان پر کوئی طعن نہ کرے گا۔ ظلم کسی شے کو اس کے غیر محل پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اب کوئی طبقہ عام انسانی اقدار کو بھی پامال کرے جھوٹ کو عبادت اور بدکلامی کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ بیٹھے یا خیانت اور بدکاری کو طاعت کا درجہ دے دے تو ایسے ظالم اگر ارکان اسلام پر اعتراض کریں بھی تو ان کی پرواہ ہرگز نہ کی جائے کہ ان کا تو معیار ہی اُلٹ گیا اور عبادات کیلئے معیار ایک ہی ہے کہ اللہ کی خشیت دل میں ہو اور بس صرف یہ سامنے رہے کہ ترک

عبادت سے اللہ کی ناراضگی کا وبال آئے گا اور اللہ کی عظمت کے پیشِ نظر خلوصِ دل سے اس کی عبادت کرے۔ واخشوفِ یعنی مجھ سے میری ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہو۔ تمہیں غیر کا کیا اندیشہ۔ اگر یہ نعمت تم نے پالی تو میری نعمتوں کا دروازہ تم پہ کھل گیا اور یہ خشیت اسی لئے اپناؤ کہ میں اپنی نعمتیں تم پر تمام کردوں اور تم سیدھی راہ پانے والے ہو جاؤ۔ تم حق شناس اور حق گو قرار پاؤ۔ دو عالم کی بھلائی تمہارے حصہ میں آئے جس طرح میں نے تم پر انعام کیا ہے اور بہت بڑا انعام کیا ہے کہ کما ارسلنا فیکم ۔۔۔۔ مالم تکونوا تعلمون (۱۵۱) کہ تم میں ایک عظیم الشان رسول تم ہی میں سے مبعوث فرمایا۔ ایک انعام تو یہ کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور دوسرا یہ کہ آپؐ کو تم ہی میں سے یعنی نوعِ انسانی سے پیدا فرما کر انسانیت کو زینت بخشی کہ اگر نبوت کسی اور مخلوق کو ملتی تو اشرفِ خلق وہی ہوتی انسان نہ ہوتا کیونکہ مخلوق کیلئے سب سے اعلیٰ درجہ اور انتہائی مقام نبوت ہے باقی تمام کمالات اس کے بعد ہیں تو انبیاء نوعِ انسانی میں سے ہونا فخرِ انسانیت ہے۔ بعض نادان بشریت انبیاء کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے نبوت ہی کا انکار ہے۔ ہاں یہ ضرور تمیز رہے کہ نبی بھی بشر تو ہوتے ہیں مگر ما و شما کی طرح نہیں بلکہ بشریت کی انتہائی بلندی پر اور نوعِ بشر کیلئے نمونہ ہوتے ہیں خصوصاً امام الانبیاء اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپؐ منازلِ قرب کی ان بلندیوں پہ فائز ہیں جو صرف آپؐ کا حصہ ہیں اور ساری کائنات کیلئے آپؐ کا اتباع لازمی حتیٰ کہ اگر انبیاء میں سے کوئی ہستی دوبارہ اس عالم آب و گل میں تشریف لے آئے تو اسے بھی آپؐ کا اتباع کرنا ہوگا اور جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو باوجود اس کے کہ خود صاحب کتاب رسول ہیں عمل حضورؐ کے احکام پہ کریں گے سو میرے نبیؐ کے ذریعہ سے تمہیں کس قدر نعمتیں ملی ہیں کہ تم پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے اور اللہ کریم کا ذاتی کلام تم کو سناتے ہیں یعنی "کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے" کہ تم سوال کرتے ہو تو اللہ کی طرف سے جواب آتا ہے۔ تم کو پوری زندگی کا نظام اللہ کی طرف سے تعلیم کیا جاتا ہے اور جو بھی اس کی تعلیمات کو قبول کرتا ہے اسے پاک کر دیتا ہے فکر و خیال، عقیدہ و اعمال، ظاہر و باطن ہر طرح سے اس کی ایسی صفائی فرماتا ہے کہ اس کے اس کمال کو اللہ اپنی عظیم رحمت کے طور پر سارے انسانوں کے سامنے بیان فرما رہے ہیں گویا ایسا پاک کرتا ہے کہ معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہاں واقعی ان لوگوں کو کسی کی صحبت نصیب ہوئی ہے اور تمہیں کتاب اللہ کی اور حکمت و دانائی یعنی ارشاداتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دیتا ہے گویا تعلیم کتاب و حکمت کا مدار تزکیہ پر ہے۔ اگر یہ نعمت نصیب نہ ہوئی تو حقیقی علم یا علم

نافع نصیب نہ ہوگا۔ اب یہ تزکیہ کس طرح حاصل ہوتا تھا صرف نگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحبت نبویؐ سے خواہ وہ بالکل تھوڑی دیر کے لئے ہو کہ صفائی باطن سے ولایت خاصہ نصیب ہوتی ہے اور اگر سارے جہاں کے ولی جمع کئے جائیں تو صحابی نہیں بن سکتا بلکہ اس کی گرد پا پہ سب نثار ہیں اور نبی کریمؐ کی صحبت کا کمال یہ ہے کہ ایک آن میں درجہ صحابیت پہ فائق کر دیتی ہے۔ آپؐ سے دو طرح کا فیض نصیب ہوتا ہے ایک علم ظاہر کہ اقوال و افعال رسولؐ کا مرقع ہے قرآن و حدیث اور فقہ سب اسی قبیل سے ہیں اور فیضِ صحبت کہ انعکاسی طور پہ مجلس میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوتا اور مسِ خام کو کندن بناتا ہے۔ دلوں کو روشن اور سینوں کو منور کرتا ہے اور استقامت علی الحق کی استعداد پیدا کرتا ہے اور پہلی قسم کے فیض کی بنیاد بھی یہی فیضِ صحبت بنتا ہے ورنہ صرف و نحو اور جملوں کی اقسام تو ذہن نشیں ہو جاتی ہیں ان پہ حقیقی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ علما باہم دست و گریبان ہیں اور غضب یہ ہے کہ ایک مسجد والے دوسری مسجد والوں پہ کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ کبھی علما کافروں کو اسلام کی طرف راغب کرتے تھے اور آج جگہ جگہ کفر سازی کا کام جاری ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تزکیۂ قلوب نصیب نہیں سو دین بھی قسمت میں نہیں بلکہ محض اپنے وقار کے لئے جنگ جاری ہے الا ما شاء اللہ۔ صرف وہ حضرات اس مصیبت سے بچے ہوئے ہیں جو تزکیۂ باطن کی طرف بھی کوشاں ہیں کہ یہی دین کی بنیاد ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ آجکل مشکل ہے تو درست نہ ہوگا کہ فیضانِ نبویؐ تو قیامت آنے والی انسانیت کیلئے عام ہے اور تعلیماتِ نبویؐ قرآن و حدیث ہر ملک میں ہر دور میں دستیاب ہیں حالانکہ ان میں تو تحریف اور ملاوٹ کا اندیشہ بھی ہو سکتا تھا مگر اللہ نے ایسا اہتمام فرمایا کہ الفاظ قرآنی کو سینوں میں جگہ دی اور حفاظت حدیث کیلئے اپنے پسندیدہ بندے پیدا فرمائے جنہوں نے حق و باطل کو علیحدہ کر دیا اور کفر کی ہزار کوششوں کے باوجود یہ علوم محفوظ رہے تو تزکیہ جو ایک باطنی کیفیت کا نام ہے جس میں نہ تحریف کا ڈر نہ ملاوٹ کا اندیشہ وہ کیونکر ضائع ہو گیا اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہو گیا تو پھر دین کہاں رہا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے امین کمیاب ہیں یہ ہمیشہ ہوتا ہے وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ تھوڑے تو ہو سکتے ہیں ختم نہیں ہو سکتے کہ انہیں حفاظتِ باری حاصل ہے اور یہی دنیا کے قیام کا سبب ہیں جب ختم ہونگے تو سب کچھ ختم ہو جائیگا اور قیامت قائم ہو گی۔ ہاں یہ عمل انعکاسی اور القائی ہے حضورؐ سے صحابہؓ نے ان سے تابعین نے ان سے تبع تابعین نے اور ان سے اولیائے اُمت نے حاصل کیا یہ تمام مسلمانوں کی امانت ہے اور تمام مرد و زن کو چاہیئے کہ اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کی سعی کریں کہ

رابطہ قرآنی ہیں لہٰذا تعلیم کتاب وحکمت ہے نیز تعلیم کتاب بھی آپؐ کا منصب ہے سو قرآن کے معنی بھی وہی معتبر ہوں گے جو آپؐ نے ارشاد فرمائے اور جن پر آپؐ کے سامنے عمل ہوا۔ آیات نازل ہوئیں تو عربی النسل اور عربی زبان ہیں ماہر صحابہ نے ان کا مفہوم حضورؐ سے سمجھا پھر آپؐ کے سامنے اس پر عمل کر کے قبولیت کی سند حاصل کی۔ آج کوئی مفہوم جو قولِ رسولؐ اور تعامل صحابہ کے خلاف ہوگا قابلِ قبول نہ ہوگا اور حکمت و دانائی بھی ارشاداتِ رسولؐ کا نام ہے اِس سے باہر یا ان ارشادات کے خلاف جہالت تو ہو سکتی ہے دانائی نہیں نیز تمہیں وہ حقائق تعلیم فرمائے جن تک رسائی بجز تعلیمِ پیغمبر ممکن نہ تھی کہ دنیا کے سارے علوم پیدائش سے موت تک بات کرتے ہیں اس سے آگے جرأت نہیں رکھتے مگر عالم بالا کی حقیقتیں اور برزخ کے حالات جنت و دوزخ یا حساب وکتاب یہ سب حقیقتیں آپؐ نے تم تک پہنچائی ہیں اور خاک نشینوں کو عرش آشنا کر دیا ہے سو تم ایسے منعم حقیقی کو ہمیشہ یاد کرتے رہو۔

ذکرِ الٰہی کی برکات

فاذ کروني اذ کرکم........ ولاتکفرون ○ ذکر کا مفہومِ اصلی یاد ہے اور یہ قلب کا عمل ہے۔ زبان سے یاد کرنے کو محض اس لئے ذکر کہہ دیا جاتا ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے لیکن بعض اوقات یہ اداکاری بھی کر جاتی ہے دل میں اور ہوتا ہے یہ اور کہتی ہے یہی نفاق ہے اسی طرح بدن کے تمام وہ اعمال جو حدودِ شرعی کے اندر ہیں ذکر شمار ہونگے کہ دل میں اللہ کی یاد تھی تب اطاعت کی لیکن اگر اس میں بھی اداکاری ہوئی اور دل کی مطابقت نصیب نہ ہوئی تو منافقت کا وبال سر پر اور اگر دل نے ساتھ دیا تو یہ عملی ذکر، اور لسانی ذکر مگر ذکر حقیقی وہی ہوگا جو دل کا ہوگا اور دل کو ذکر صاحبِ دل کی مجلس وصحبت سے انعکاسی و القائی طور پر نصیب ہوگا۔ یہ وہ ضرورت ہے جس سے کسی کو استثناء نہیں۔ ہر مرد و عورت اور تمام مسلمانوں کی ضرورت ہے یہی نیکوں کیلئے ترقی درجات اور بدکاروں کیلئے توبہ وانابت کا سبب ہے۔ نہ یہ وراثت ہے نہ رنگ ونسل پر مدار رکھتی ہے بلکہ ہر مسلمان کو حاصل کرنے کا حق ہے بلکہ سب پر واجب ہے کہ اس کیلئے کوشش کریں اور دلوں کو اللہ کے مبارک نام سے روشن کریں۔ ایسے کاملین کو تلاش کریں جو اس دولت کے امین ہوں، جو حضور کے حقیقی وارث ہوں اور انکی صحبت کو غنیمت جانیں۔ آج تک تو سب علما بھی سندِ فراغت پانے کے بعد ان حضرات کو جستجو کرتے اور اس دولت کو پانے کیلئے سعی بلیغ

فرماتے تھے۔ تقریباً سب سوانح میں یہ قدر مشترک ہے۔ مگر اس دور کی مصیبت یہ ہے کہ اوّل تو علم ظاہر ہی اُٹھ رہا ہے۔ جہاں سے کوئی عالم تشریف لے جاتا ہے اس کا بدل ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ رواج یہ ہے کہ چند سطور یاد کیں اور تقریریں کرنے چل نکلے۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ ذکر قلبی اور اس کے حصول کی تردید فرمانے لگے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اذکرکمہ تم محتاج ہو تم مجھے اپنی احتیاج سے یاد کرو گے میں بے نیاز اور منعم ہوں میں تمہیں اپنی عطا سے یاد کروں گا اور اس طرح تم پر ہمیشہ انعاماتِ باری کا دروازہ رہیگا یاد رہے کہ ساری مخلوق ہمیشہ اللہ کی عطا کی احتیاج رکھتی ہے اور عطائے باری کا سبب ہے۔ ذکرِ الٰہی اسی لئے انبیاء کو بھی ذکرِ الٰہی کی تاکید فرمائی گئی ہے حتیٰ کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا واذکر اسمہ ربک یعنی اپنے پروردگار کے اسم ذاتی کو دل میں لبا لیں ہر دم اللہ اللہ کہتی رہے اس کے ساتھ صفتِ ربوبیّت کا اظہار ہے۔ اسمہ ربک یعنی آپ کی دائمی ترقی کیلئے رب کے نام کی دائمی یاد بھی ضروری ہے۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو اپنے کو اس ضرورت سے فارغ جانتے ہیں۔ اللہ سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔ یہ دل کی یاد ہی حقیقی شکر ہے۔ محسن کو دل میں لبا لینا ہی اس کے احسانات پر اظہارِ ممنونیّت ہے اور یاد رکھو عاجز ہو کر بے نیاز سے کفر نہ کرو۔ یہاں چونکہ کفر شکر کے مقابلہ پر لایا گیا ہے اس لئے اس کا ترجمہ ناشکری کیا جاتا ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو بات ناشکری سے بڑھکر کفر تک پہنچ جاتی ہے کہ ذکر نام دل کی یاد کا ہے اب مسلمان ہونے کیلئے جہاں زبانی اقرار کی ضرورت ہے وہاں تصدیقِ قلبی بھی ضروری ہے اور اگر قلب تصدیق بھی کرتا ہے تو کسی نہ کسی درجہ میں ذاکر ہے اگر ذکر بالکل ہی اُٹھ جائے تو گویا تصدیقِ قلبی بھی رخصت ہوئی تو حقیقی کفر بن جائیگا۔ سو فرمایا میرا نام دلوں سے مت مٹنے دو ورنہ کفر کی زد میں آ جاؤ گے اعاذنا اللہ

فقط

رکوع ۳ شروع | يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ
وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ
بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا
لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ
مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ
يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
ع ۱۹ ۳ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ :

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجۂ اولیٰ) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔ اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جن کی یہ عادت ہے) کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی۔ تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔ سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں ان دونوں کے درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدردانی کرتے ہیں اور (اس خیر کرنے والے کی نیت خلوص) خوب جانتے ہیں۔ جو لوگ اخفا کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں۔ اور (دوسروں کو) ہادی ہیں بعد اس کے ہم ان کو کتاب (الٰہی تورات و انجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور (دوسرے بہتیرے) لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کر دیں اور (ان مضامین کو) ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جاویں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاویگا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) ان کو مہلت دی جاوے گی اور (ایسا معبود) جو تم سب کا معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک معبود (حقیقی) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔

اسرار و معارف :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (۱۵۳)

ذکر الٰہی سے کوئی اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ وہ کوئی مافوق البشر خاصیت حاصل کر گیا ہے اور اب جو حوائج عام انسانوں کو درپیش ہیں وہ اسے نہ ہونگے نہ بھوک لگے گی نہ پیاس نہ بیماری آئے گی نہ افلاس نہ کوئی دشمن ہوگا نہ مخالف بلکہ اسے ان تمام امور کیلئے سینہ سپر ہونا پڑیگا بلکہ عام آدمی کی نسبت مصائب کچھ زیادہ ہی ہونگے کہ ایک تو وہ تکالیف جو دنیا کی زندگی کا خاصہ ہیں اور جن سے سب کو سابقہ پڑتا ہے مثلاً معاشی مسائل یا گھریلو اور خاندانی امور میں بعض پریشانیاں یا صحت و بیماری وغیرہ اور دوسرے اہل اللہ کیلئے معاشرے کی عمومی مخالفت بھی ایک بہت بڑا بوجھ بنتی ہے کہ معاشرہ ہمیشہ اپنی رسومات اور اپنے اطوار کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اہل اللہ اسے اس کے بنائے ہوئے غیر موزوں اور نامناسب طریقوں سے ہٹا کر اللہ کی راہ پر لگانا چاہتے ہیں جس سے اس کی انانیت کو ٹھیس لگتی ہے اور وہ مقابلے پر اتر آتا ہے سوائے ان سلیم الفطرت لوگوں کے جن کو اللہ ہدایت سے نوازے اور ظاہر ہے ایسے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہیں کہ وہ معاشرے میں فسق و فجور اور شرک و کفر کو مٹا کر اللہ کا دین نافذ کرتے اور راستہ بناتے ہیں۔ بعد والے لوگ نبی کی اقتدا میں بنے ہوئے راستے پر چلتے ہیں تو نبی کی نسبت انہیں بہت کم تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے غالباً اس حدیث پاک کا جس کا مفہوم ہے کہ مجھے سب انبیاء سے بھی زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ راز بھی یہی ہے کہ دوسرے انبیاء نے صرف مخصوص قوموں کا سامنا کیا کہ انہیں کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور حضور اکرم ﷺ نے سارے عالم کے رسومات کو للکارا کہ آپ ﷺ کی بعثت سب کے لئے تھی تو ظاہر ہے کہ مخالفت بھی اتنی ہی شدید ہوگی اور تکالیف بھی اسی قدر زیادہ۔ تو جب تم اللہ کی راہ پر چل ہی نکلے تو اب فرار کسی طرح مناسب نہیں بلکہ جم جاؤ اور اگر بدکار برائی سے نہیں ہٹتے تو تم نیکی کا راستہ کیوں چھوڑ دو ہاں یہ کام مشکل ضرور ہے اور اس مشکل کا حل بڑا سہل ہے کہ صبر اور نماز سے مدد لو یہ ہر دکھ کا مداوا ہے صبر کا معنی ہے رک جانا یعنی اللہ کے احکام پر اپنے آپ کو پابند کرنا خدا کی نافرمانی سے اپنے کو باز رکھنا اور دنیاوی تکالیف پر جزع و فزع سے اجتناب کرنا کہ جس اللہ کی طرف سے بے حساب احسانات ہیں اگر کوئی معمولی تکلیف بھی آجائے تو شکر ہی مناسب ہے اور یہ مقام اس باطنی تعلق کی وجہ سے حاصل ہوگا جو بندے کو اللہ کریم سے حاصل ہے اور جس کی بنیاد اللہ

کی عبادت ہے سو نماز سے مدد حاصل کرو کہ اللہ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے اگرچہ عبادات بھی صبر ہی کا ایک جُز ہیں مگر مقامِ صبر پر استقامت کا سبب بھی ہیں اور سب عبادات میں نماز گویا سب کا تاج ہے۔ تو اس صبر اور نماز تمہیں ایک خاص مدد حاصل ہوگی اور وہ ہے اللہ کی معیتِ ذاتی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ کہ یہ یکی بات ہے اللہ ذاتی طور پر صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب اللہ ساتھ ہو تو پھر تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ ظاہراً اگر مصیبت ہی ہو تو باطناً ایک خاص لطف اور لذت لئے ہوئے ہوتی ہے اور ایک ایسا سرور رکھتی ہے کہ جو بیان میں آنہیں سکتا اولیاء اللہ کو اگرچہ ذاتِ باری کی معیت ذاتی حاصل ہوتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ دوسری طرف بندے کا وصف ہے یعنی صبر اگر کسی مقام پر صبر کا دامن چھوٹ گیا تو گویا معیت باری کھو بیٹھا۔ یہی وجہ ہے کہ ولائیت شئے کسبی ہے کہ بندے کی کوشش سے متعلق ہے اور تادمِ واپسیں اس کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے کہ زندگی کی طویل اور کٹھن راہ میں جہاں بھی صبر چھوٹا دولتِ معیت گئی یہ حال تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس راہ میں عمریں صرف کر دیں اور جن کو دین سے مس ہی نہیں اس راہ پہ ہی نہیں چلے وہ کیسے ولی اللہ بن گئے۔ یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ کوئی شخص اتباعِ دین کو چھوڑ کر ولائیت حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ولائیت خاصہ نام ہی عوام سے بڑھ کر اطاعت کرنے کا ہے ورنہ ظاہر ہے

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہ صرف نبوت ہے جو وہبی طور پر عطا ہوتی ہے اور پھر کبھی سلب نہیں ہوتی کہ شئے موہوب ایک طرح ملکیتِ ذات بن جاتی ہے لہٰذا انبیاء مامون ہوتے ہیں مگر ولی آخر تک خطرہ میں یہ اور بات ہے کہ اولیاء اللہ کو حفاظتِ باری حاصل ہوتی ہے اور یہ حضرات محفوظ ضرور ہوتے ہیں مگر اس وقت تک جب تک وصفِ صبر کو زندہ رکھیں ایک وہم یہ کہ فلاں پیدائشی ولی تھا یہ بھی درست نہیں۔ جب ولائیت کا تعلق کسب سے ہے اور کسب کا تعلق بلوغت سے جب بالغ ہوگا مکلف ہوگا اور جب مکلف ہوگا تو نیکی کرکے ولائیت حاصل کر سکے گا پھر شکمِ مادر سے منازلِ سلوک کس طرح طے کرکے آگیا یہ صرف عرفاً کہہ دیا جاتا ہے اور ان خوش نصیب لوگوں پہ اس کا اطلاق ہوتا ہے جو نیک گھرانوں میں یا نیک ماحول میں پیدا ہوئے اور مزاج صالح پائے بچپن سے برائی سے متنفر رہے حتیٰ کہ بلوغت کے بعد ولائیت خاصہ یا منازلِ سلوک کو حاصل کیا ورنہ پیدائشی طور پر تو ہر پیدا ہونے والا بچہ استعداد لیکر پیدا ہوتا ہے۔ آپؐ کا

ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ کہ ہر پیدا ہونے والا فطری صلاحیتیں لیکر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس پر رنگ چڑھاتے ہیں اور اسے اپنی روش پر لگا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کافر بھی توبہ کرے تو ولائیت کے اعلےٰ سے اعلےٰ درجے کو پا سکتا ہے کہ استعداد اس کے وجود میں موجود ہے جس کے آگے کفر کی دیوار تھی یا پھر بے صبری کی دھند۔ اگر کفر کی دیوار بھی ڈھا دے اور توفیقِ صبر بھی پائے تو یقیناً ولی ہوگا مگر یاد رہے یہ توفیقِ صبر خود بخود حاصل نہیں ہوتی یہ کمالاتِ رسالت میں سے ہے کہ لوگ ایک ایک گھونٹ پانی پر گلے کاٹتے تھے مگر ان کو صحبتِ رسولؐ نے وہ صبر دیا کہ میدانِ جہاد میں زخموں سے چُور حالتِ نزع میں بھی پانی دوسروں کی طرف بڑھاتے اور ایثار کی روشن مثال قائم کرتے چلے گئے تو یہ کمال پرتوِ جمالِ نبویؐ تھا اور رہے جب تک دل میں وہی انوار نہ آئیں صبر کا نصیب ہونا مشکل۔ یہ ایک کیفیت ہے جو صرف الفاظ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ علم ظاہر بھی ہو اور صحبتِ کامل بھی تو یہ اس کامل ہستی کے سینے کا پرتو ہوگا جو انوارِ نبوتؐ کا امین ہو۔ ایک بات یہاں اور بھی ہو جائے اور وہ ہے مجاذیب کی۔ تو یاد رہے مجذوب بھی وہ ہوگا جو بعد از بلوغت کسی شیخِ کامل سے اللہ کا نور حاصل کرے اور پھر کسی درجہ میں قوتِ برداشت جواب دے گئی تو عقل و خرد بھی کھو بیٹھے ورنہ پاگل تو ہو سکتا ہے۔ مجذوب سالک نہیں جنہوں نے اس کمال کو حاصل ہی نہیں کیا اور ہوش سے بیگانہ ہیں تو وہ محض پاگل ہیں و نیز مجذوب ہونا نقص کی دلیل ہے کمال کی نہیں۔ اگر یہ کمال ہوتا تو انبیاء مجذوب ہوتے مگر کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا بلکہ کاملین کو عوام سے جدا کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور جس قدر کسی کو کمال نصیب ہوتا ہے اس کے امور بالکل عام آدمی سے قریب تر آتے چلے جاتے ہیں کہ منزل پہ سوار بھی پیادہ بن جاتا ہے اور مجاذیب سے فائدہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں نفع و نقصان کا ہوش ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر ان سے نچلے درجے کا کوئی سالک ان کے پاس چلا جائے تو اُلٹا اس کے احوال سلب ہو جاتے ہیں۔ ان کے انوار قوی ہوتے ہیں کہ بالکل ایک طرف لگے رہتے ہیں۔ سو شرعاً اتنا کافی ہے کہ جس آدمی کے حواس درست نہ ہوں اسے اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور کچھ کہا نہ جائے اور استقامت علی الذکر حاصل کرنے میں کوشاں رہے کہ یہ معیت باری کا سبب ہے اگر یہ دولت حاصل ہو جائے تو پھر کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور تکالیف مبدل براحت ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا دکھ جو کسی کو دیا جا سکتا ہے وہ ہے قتل کہ قید یا جرمانہ اس سے کمتر درجے میں ہیں تو اگر راہِ حق میں کوئی قتل بھی ہو جائے تو مت کہو کہ وہ مر گیا بلکہ اس نے موت کو بھی شکست دے دی اور موت آ کر بھی اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (۱۵۴) جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ قتل ہونا بدن سے متعلق ہے اور فعل قتل کا ورود بدن پر ہوگا۔ تلوار سے کٹ جائے یا گولے سے اڑ جائے اگرچہ اس کی دنیاوی زندگی تمام ہوئی اور یہاں سے کوچ کر کے برزخ میں چلا گیا مگر با ایں ہمہ وہ مردہ نہیں بلکہ برزخ میں اسی زندگی کے ساتھ زندہ ہے اگرچہ غذا دن رات یا موسم اور آرام و تکلیف کے احکام اس پر برزخی وارد ہونگے۔ اگر روح کا وہ تعلق جو دنیا میں بدن کے ساتھ تھا ویسا ہی قائم ہے اور بدن مر کر بھی زندہ ہے۔ شہدا پر دنیا کے اعتبار سے احکام میت کے وارد ہوتے ہیں میراث بٹتی ہے بیویاں بعد از عدت نکاح ثانی کر سکتی ہیں جنازہ اٹھتا ہے دفن ہوتے ہیں مگر بدن کو روح سے وہی تعلق حاصل رہتا ہے جو دنیا میں تھا خواہ بدن ریزہ ریزہ ہو جائے یا جل جائے یا درندے کھا جائیں کہ اللہ قادر ہے انسان کے خون کے ایک قطرے میں اربوں جراثیم رکھ سکتا ہے تو درندے کے جزو بدن بننے والے گوشت کو بھی علیحدہ زندگی دے سکتا ہے۔ اس معاملہ میں سب سے اعلیٰ زندگی انبیاء کی ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد بھی بعض احکام ظاہری ان کی حیات سے متاثر ہوتے ہیں اگرچہ جنازہ و تدفین ہوتی ہے مگر میراث تقسیم نہیں ہوتی ازواج مطہرات نکاح ثانی نہیں کر سکتیں۔ دراصل موت اس کیفیت کا نام ہے کہ جب روح کو بدن سے نکال کر فرشتے اللہ کریم کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں وجود اس کی جدائی سے بے حس ہو جاتا ہے اگرچہ اس عالم آب و گل میں ہوتا ہے مگر اس کے اثرات کی اسے پرواہ نہیں ہوتی چونکہ روح برزخ میں ہوتی ہے تو بدن پر بھی احوال برزخ کے وارد ہوتے ہیں خواہ دنیا میں وہ جس حال میں بھی ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے بعد روح کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے جو علیین یا کفار کیلئے سجین کے نام سے موسوم ہیں۔ تو چونکہ اعمال میں روح اور بدن کی شراکت سے اس لئے جزا میں بھی دونوں شریک رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ دنیا میں بدن مکلف بالذات تھا۔ روح اس کے تابع۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہوتا ہے بدن اس کے تابع تو روح کا اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی بدن سے ایسا رابطہ ہو جاتا ہے کہ دکھ یا سکھ جو روح پر وارد ہو اس میں بدن شریک رہے جس طرح دنیا میں بدن کی لذت و الم سے روح متلذذ و متالم ہوتی تھی برزخ میں بدن روح کے دکھ سکھ میں شریک ہے اور یہ کہنا کہ وہاں نیا مثالی بدن عطا ہوتا ہے اور اس پر ثواب و عذاب ہوتا ہے نادانی ہے کہ محنت یہ بدن کرے اور ثواب بدن مثالی پائے یا گناہ یہ وجود کرے اور سزا بدن

مثالی پائے یہ نہیں ہو سکتا قرآن شاہد ہے کہ آلِ فرعون غرق ہوتے ہی داخلِ نار ہوئے اُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا تو روح کا تعلق غرق سے کیسا غرق تو بدن ہوئے پھر کسی کا برآمد ہوا اور اکثر مچھلیوں یا سمندری جانوروں کی غذا بن گئے مگر اس کے باوجود اللہ فرماتا ہے کہ آگ میں داخل ہوئے کہ روح جس آگ میں داخل ہوئی وہ ہماری سمجھ سے بات بالاتر مگر بدن بھی اسی آگ میں ہے کہ روح کے تعلق کی وجہ سے آگ اس تک پہنچ رہی ہے اور وہ جل رہا ہے بظاہر خواہ قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہو۔ یہ حال کافر کا ہے تو مومن کی روح کو بھی بدن سے علاقہ ہوتا ہے اور نعم اخروی کے اثرات بدن تک پہنچتے ہیں مگر شہید یا راہِ حق میں قتل ہونے والوں کی ارواح کا تعلق اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ابدان بظاہر زندہ نظر آتے اور صدیوں بلکہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں اور یہ اکثر مشاہدہ ہے۔ پہلے کی تو بات کیا اب ۱۹۷۵ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں صحابہ کی قبور اکھڑیں تو چودہ صدیاں بعد بھی ابدان تروتازہ تھے جنہیں جنت البقیع منتقل کر دیا گیا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لی جائے کہ اگر کوئی واقعی شہید بھی ہو اور اس کا بدن سلامت نہ رہے تو کوئی استبعاد نہیں کہ موت کی وجہ سے اس کا بدن خراب نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اثرات متاثر کر سکتے ہیں جیسے جلا دیا جائے یا گوشت کاٹ دیا جائے تو جو سب کچھ دنیا کی زندگی میں ممکن ہے اس کے بعد کی زندگی میں بھی ممکن ہے ہاں صرف موت کی وجہ سے گل سڑ جانے کا وہاں امکان نہیں کہ احیاءٌ کا مصداق بدن ہے جو بعد قتل بھی زندہ ہے کہ فعل قتل اسی پہ صادر ہوا اور روح تو کافر کا بھی زندہ رہتا ہے اس میں شہدا کی کیا تخصیص ہاں ان کی زندگی چونکہ باعتبار عالم کے برزخی ہوتی ہے موسم ماحول غذا آرام سب اس کے مطابق ہوتے ہیں اور باعتبار حیات کے بالکل یہی زندگی ہوتی ہے۔ سو یہ اللہ کی قدرت کیلئے تو مشکل نہیں وہ تو کر سکتا ہے ہماری میڈیکل سائنس کی رسائی سے بالاتر ہے۔ ہم مادی ذہن سے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے صرف اللہ کی اطلاع پہ یقین کر لو کہ اس کی بات ہمیشہ سچی ہوتی ہے۔ اللہ کا کلام شہدا کی زندگی پہ شاہد اور انسانی عقل انبیاء کی حیات میں سرگرداں و حیران۔ بات صرف اتنی ہے کہ لوگ عقل سے مادی دماغ سے سمجھنا چاہتے ہیں کہ ان کے دل زندہ نہیں ہیں اگر دل زندہ ہوتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے جس کے مقابلے میں عقل کے ہونٹ بھی سل جاتے ہیں اہل بصیرت کیلئے حیات انبیاء بدیہیات میں سے ہے خدا تمام مسلمانوں کے دل روشن کر دے آمین۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ ... تا ... أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۱۵۵-۱۵۷) اسی بات کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد

ہوتا ہے کہ کسی قدر خوف یا بھوک یا مالی نقصان یا جانی نقصان یا فصلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کیجائیگی کہ کیا صرف بے خطر زندگی میں ہی ذکرِ الٰہی کرتے ہو یا اسباب ِظاہری تمہاری کوئی اُمید نہ بندھا رہے ہوں دشمن کا خوف ہو اور کسی تباہی کا سامنا تو اللہ کی یاد سے ہٹ کر اس کے سامنے تو نہ جھک جاؤ گے یا کم از کم اللہ کی طرف سے غافل تو نہ ہو جاؤ گے اور یہی حال جانی و مالی نقصانات سے بھی ہوگا یعنی ایک عام انسانی زندگی تمہیں بھی بسر کرنی ہوگی فرق یہ ہوگا کہ غافلین پر جو مصیبت وارد ہوگی وہ واقعی مصیبت ہوگی مگر اللہ کی یاد سے معمور سینہ رکھنے والوں پر اور نورِ ایمان سے منور دل رکھنے والوں پر جو تکلیف آئے گی اگرچہ صورت مصیبت کی ہوگی مگر ہوگا امتحان کہ کامیابی کی کلید امتحان ہی ہوا کرتے ہیں۔ خداوندِ عالم کا علم ازلی ہے ابدی ہے کامل و اکمل ہے مگر اپنے بندوں پر بھی اتمامِ حجت فرماتا ہے کہ کل میدانِ حشر میں یہ بات سامنے ہو کہ ان نورانی چہروں نے جہان کی ہر شئے قربان کی مگر اللہ کا نام اور اس کی بارگاہ نہ چھوڑی اور وہ بدبخت اور بے نصیب بھی علیحدہ نظر آئیں کہ جو ان دنیاوی آسائشوں کے حصول کی غرض سے یا دنیاوی نقصانات سے بچنے کی اُمید پر غیر اللہ کے در پہ سجدہ ریز رہے جو نہ انہیں دنیا دے سکے اور نہ آخرت۔ تو اے میرے حبیبؐ میرے ان بندوں کو جنہوں نے ہر حال میں صبر کا دامن نہ چھوڑا اور ہر شے کے نقصان پر یہی بات کہی کہ ہم تو اللہ کا ہی مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہماری جان مال آبرو اولاد سب اللہ کیلئے ہے جو عطا کرے اس پہ بھی شکر بجالاتے ہیں اور جو لے لے اس پہ بھی شکر ہی کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا کیا ہم تو خود اُسی کے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں اگرچہ دُکھ طبعاً تو ان کو بھی ہوتا ہے اسی لئے ارشاد ہے اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ یعنی جب ان پہ مصیبت اور تکلیف وارد ہوتی ہے تو بہ تقاضائے بشریت درد تو انہیں بھی ہوتا ہے مگر وہ درد ان کو اللہ سے نہ غافل کر سکتا ہے اور نہ شکوہ سنج بلکہ صبر کرتے اور اُسی کا ذکر کرتے ہیں اسی کی یاد میں لگ جاتے ہیں بشارت دیجیے انہیں مبارکباد کیجئے کہ ان کے دل پر گزرنے والے ایک دُکھی لمحے کے صدقے اللہ کریم انہیں مدت مدید کی خوشیاں بخشے گا اور یہی لوگ ہیں کہ جن پر عنایات خاص ہیں اور ایسے ہی لوگ حق پر ہیں ورنہ تو اگر دنیا کے لذائذ یا فوائد کو عبادات سے جوڑ دیا جاتا تو کون کمبخت پیچھے رہتا تھا۔ لوگ تو جنگ عظیم اول میں سات روپے ماہوار لینے کے لئے سمندر پار جاکر لڑے اور وہیں کٹ مرے تو اگر نماز۔ روزہ یا ذکر کے ساتھ رزق لگا دیا جاتا تو یہ مساجد سے کب اُٹھتے تھے یا صحت کو منسلک کر دیا جاتا تو ساری عمر کی لمبی ڈاکٹروں کو نذر کرنے والے بھلا پانچ نمازوں سے پیچھے رہ جاتے ہرگز نہیں روپیہ بھی بچاتے اور صحت بھی پاتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اے مومنین

تمہیں اللہ کی اطاعت اس کی عبادت ہی کرنا ہے اور دنیا میں انسانی زندگی بھی حسب معمول بسر کرنی ہے بلکہ یہ آیت تو اس بات پر شاہد ہے کہ غافلین یہ کوئی دکھ آئے حاضرین یہ تو ضرور وارد ہوگا اسی مقصد کو یہ حدیث پاک واضح کرتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ سب سے زیادہ مصیبت انبیاء پر آئی ہے پھر ان سے قریب تر لوگوں پر اور پھر ان سے قریب لوگوں پر او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور آج کے دور کی بڑی مصیبت بھی یہی ہے لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ نماز روزہ کر کے ہم نے اللہ پر احسان کر دیا ہے اب اللہ کو ایسا ہی کرنا چاہیئے جیسے ہماری منشا ہو سبحان اللہ گویا پہلے عبادت کی اور اب کروانا چاہتے ہو۔ اطاعت ہی تو عبادت ہے معاذ اللہ اگر خدا انسانوں کا مطیع ہوگیا تو پھر ہو چکی خدائی بلکہ ایسی آرزو کرنا بہت بڑی جہالت ہے ہاں ہر حال میں اس کی رحمت پہ اُمید رکھنا بہت بڑی بات ہے اور اس کی رضا کو اس طرح پانا کہ اپنی پسند اس میں گم ہو جائے اصل درجہ ہے ۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ...... تا ...... شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (۱۵۸) اور ذرا دیکھو تو میری ایک بندی نے پوری زندگی کس قدر قربانیاں دی ہیں ایمان لائی تو ہجرت کرنا پڑی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح کیا تو ساری عمر سفر اور غربت کی تکالیف سہیں بادشاہوں سے مکر ہوئی ظالموں کی قیدیں گئیں مگر ہر جگہ صبر کیا اللہ پہ بھروسہ رکھا اور ہمیشہ نعمتِ باری کی سزاوار ہوئیں حتیٰ کہ آخری عمر میں حضرت اسمٰعیل جیسا لختِ جگر عطا ہوا مگر یہ بخشش بھی مزید امتحان لائی اور بے آب و گیاہ صحرا میں بچے سمیت چھوڑ دی گئیں حتیٰ کہ جب حضرت ابراہیم واپس ہونے لگے تو پوچھا یا خلیل اللہ ہمیں یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو فرمایا اللہ کا حکم ہے تو فوراً عرض کی اللہ ہمیں ضائع نہ کرے گا اس کے باوجود پھر نئی مصیبت آگئی پانی ختم ہوا جس کے سبب دودھ بھی سُوکھ گیا بچہ بلبلا رہا ہے ۔ جنگل کی پہنائیوں میں بجز اللہ کوئی نہیں جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو بے تابانہ پہاڑی پر چڑھیں بچہ نیچے رکھا تھا وہاں سے نظر دوڑائی پانی نظر نہ آیا تو دوسری پہاڑی کی طرف چل دیں جب وادی میں اُتریں تو بچہ اوجھل ہوگیا دوڑ پڑیں کہ نگاہوں کے سامنے رہے مبادا کوئی جانور نقصان پہنچائے دوسری پہاڑی سے بھی کچھ نظر نہ آیا تو سات چکر بیتابی سے لگائے بظاہر تو یہ بہت بڑی مصیبت تھی مگر اللہ کو یہ ادا کیسی بھائی فرمایا دیکھو ہم نے صحرا کا جگر شق کر کے چشمہ بھی جاری کر دیا اور ان پہاڑوں کو وہ عظمت بخشی کہ دین کی علامتوں میں سے قرار دیا اور ان پر اسی طرح بے تابانہ دوڑنا حج و عمرہ کرنے والوں پر واجب قرار دے دیا۔ (سعی کرنا امام احمدؒ کے نزدیک سنتِ مستحبہ مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک فرض اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے ۔ معارف) اور اسے اس عظیم عبادت یعنی حج و عمرہ کے ارکان میں شامل فرمایا کہ جس سے کرنے والا گناہوں سے ایسے پاک ہوتا ہے جیسے پہلے روز

دنیا میں آیا تھا۔ یہ سب برکات تو دنیا میں ظاہر اور سب کے سامنے ہیں اخروی اجر تو اس سے کہیں بہت زیادہ ہے اب رہے وہ لوگ جو آپ پر یا کتاب پر یا بیت اللہ کے قبلہ ہونے پر معترض ہیں تو ان کے پیشوا علمائے بنی اسرائیل ہیں کہ مشرک بھی ان سے پوچھتے تھے تو وہ ان سب حقائق سے خوب آگاہ ہیں کہ کتب سابقہ میں یہ سب بطور پیشگوئی کے موجود ہے مگر یہ اسے ظاہر نہیں کرتے اور چھپاتے ہیں کہ اسی میں اپنا اقتدار سمجھتے ہیں۔

• اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ...... تا...... وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ۱۵۹ تا ۱۶۲) جو لوگ ارشادات باری کو جو لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل ہوئے چھپاتے ہیں اور ظاہر نہیں کرتے وہ غضب الٰہی کا شکار ہوتے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے اور ساری مخلوق کی طرف سے بھی کہ ان کا کتمان حق ایسی ظلمت پیدا کرتا ہے جسکی نحوست کے اثرات ساری مخلوق کو متاثر کرتے ہیں تو سب ان پر لعنت کرتے ہیں دراصل انسانی افعال کا اثر بہت وسیع ہے یہ قوم لوط کے اعمال تھے جنہوں نے زمین سمیت ساری چیزوں کو تباہ کر دیا یا نوح علیہ السلام کی قوم کہ جس کے اعمال بد ساری زمین پر طوفان لائے اور سوائے کشتی کے کوئی چیز بچ نہ سکی سب غرق ہو گئے تو اس کا سبب انسانوں ہی کی بدعملی تھی اور سب طرح کی بداعمالیوں میں سرفہرست کتمان حق ہے کہ ایک بات دین کی جانتا ہو مگر دنیاوی مفاد کیلئے بیان نہ کرے یا توڑ مروڑ کر اس طرح کرے کہ بات بگڑ جائے مگر لوگ خوش ہوں اور یہ فائدہ اٹھائے تو یہ شخص اللہ اور اللہ کی مخلوق کی لعنت کا نشانہ بنے گا بلکہ ارشاد ہے جس نے جانتے ہوئے بات چھپائی اللہ اسے آگ کا لگام پہنائیں گے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جانتا ہی نہ ہو تو ایسے شخص کو بھی خواہ مخواہ مفتی بننے کا حق حاصل نہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ وہی باتیں بیان کرنے کا حکم ہے جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت ہو اور لوگوں کی رہنمائی کیلئے ضروری ہوں خواہ مخواہ مسائل گھڑ کے جھگڑا پیدا کرنا اور اپنی ہوس پوری کرنے کا ذریعہ بنانا بھی سخت جرم ہے نیز لوگوں سے ان کی استعداد کے مطابق بات کی جائے ایسی بات جو عوام کی رسائی سے بالاتر ہو عوام سے نہ کہی جائے کہ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں اور یہ سب کچھ صرف کتاب اللہ کیلئے نہیں بلکہ حدیث رسول بھی اسی حکم میں ہے کہ بغیر حدیث کے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی اور نہ قرآن کے مفہوم کی تعین ہو سکتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا سو جو لوگ ان حقائق کو جو اللہ نے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے چھپاتے ہیں سخت ترین مجرم اور لعنت کے سزاوار ہیں مگر بایں ہمہ اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں اتباع رسول اختیار کریں اور حق کو ظاہر کریں یعنی محض زبان سے لفظ توبہ کہہ کر خوش نہ ہو لیں بلکہ اپنے اعمال کی عقائد کی اصلاح کریں اور برائی سے علانیہ بیزار ہوں اگر کوئی حق بات

چھپائی تھی تو اسے ظاہر کریں تو اللہ کریم فرماتے ہیں ایسے لوگوں کی توبہ قبول فرما لیتا ہوں کہ میری شان ایسی ہی عظیم ہے اور توبہ قبول کرنا اور رحم کرنا ہی مجھے سزاوار ہے سبحان اللہ اگر اس قدر وسیع رحمت اور بخشش سے بھی کوئی فرار ہی اختیار کرے تو پھر یہ پکی بات ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اپنائی اور پھر اسی پر موت سے ہمکنار ہوئے تو ان پر اللہ کی لعنت، تمام فرشتوں کی لعنت اور تمام نسلِ انسانی کی لعنت ہے کہ وہ ان سب کے مجرم ہیں اللہ کی نافرمانی کرکے اسکا جرم کیا اور فرشتوں اور انسانوں کی بستیوں میں غضبِ الٰہی کو وارد کرنے کا سبب بنے تو ان سب کی لعنت کے سزاوار ہوئے چونکہ کافر ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی ان کے کمی نہ ہوگی اور نہ کبھی انہیں مہلت دی جائے گی۔ یہاں سے سمجھ آئی کہ جب تک خاتمہ کفر پر نہ ہو شخص معین پر لعنت کرنا جائز نہیں البتہ ظالموں اور کافروں پر بغیر کسی فرد کی تعین کے لعنت کرنا درست ہے۔ جب یہ اس قدر سنگین بات ہے کہ کافر پر بھی جب تک کفر پر ہی مر نہ جائے لعنت کرنا درست نہیں تو پھر مومن پر خواہ کیسا ہی ہو کبھی جائز نہیں ہو سکتی حالانکہ ہمارے ہاں عورتیں بات بے بات لعنت برساتی ہیں۔ جس پر لعنت کی جائے اگر وہ اس کا مستحق نہ ہو تو پھر کرنے والے پہ پلٹتی ہے اور یہ صرف لفظِ لعنت ہی کہنے سے نہیں بلکہ اس کے ہم معنی الفاظ مثلاً راندۂ درگاہ یا مردود وغیرہ سے بھی پرہیز لازم ہے۔ سو یہ حال تو ہے ان کا جو کتمانِ حق کے مرتکب ہیں کہ وہ اپنی ہی راہ میں گڑھا کھود رہے ہیں رہی تمہاری بات تو تمہیں اللہ یہ نگاہ رکھنی ہے کہ وہی اکیلا تمہارا معبود ہے اور اسی کی رضا تمہارا مقصود کوئی کیا کہتا ہے تمہیں اس سے غرض نہیں

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (۱۶۳)

تمہارا معبود اکیلا ہے جس کا نہ کوئی ثانی ہے نہ شریک اور وہ ہی اکیلا مستحق ہے عبادت کا تمہیں اس کی رضا مطلوب ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری تمہارا مقصد کہ وہ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

رکوع ۴ :- إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ
وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ
اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ
مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۗ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ
عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

ترجمہ:

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور (اسباب) لے کر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلادیے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا) ضروری ہے اور جو مومن ہیں ان کو

(صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کر کے سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں اور بھی) سخت ہو گا جبکہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے صاف الگ ہو جاویں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جاویں گے اور یہ تابع لوگ یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے ان کو دکھلا دیں گے اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہو گا۔ اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ تم کو ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ کہ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھیجا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اگرچہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی) آسمانی کتاب کی ہدایت رکھتے ہوں اور ان کافروں کی کیفیت (نافہمی میں) اس (جانور کی) کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے جانور کے پیچھے چلا جا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا اسی طرح یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔ اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکرگذاری کرو۔ اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزا کو بھی) اور ایسے جانور کو (جو بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں (لطف کے ساتھ) کلام کریں گے اور نہ (گناہ معاف کر کے) ان کی صفائی

کریں گے اور ان کو سزا بڑے دردناک ہوگی - یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں) مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا) سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں - یہ سزا مذکورہ (ان کو) اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا - اور جو لوگ (ایسی) کتاب میں بے راہی کریں وہ بڑی دور کے خلاف میں ہوں گے -

اسرار و معارف : (رکوع ۲۰)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ..... تا ..... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۰ (۱۶۴)

یہ بات کہ وہ اکیلا ہی مستحقِ عبادت ہے اور وہی ہے جو کہ   یہ رحم کرنے والا سب کا خالق مالک اور رازق معاندین کیلئے بے حد ثقیل تھی خصوصاً نزولِ کلام کے وقت تو حال یہ تھا کہ گھر کے ہر فرد نے اپنا علیحدہ بُت بنا رکھا تھا اور پھر مختلف امور کیلئے مختلف خدا اور الٰہ تو آج بھی مذاہبِ باطلہ میں دیکھے جا سکتے ہیں کہ انسان اپنی عقل کے مطابق سوچتا ہے تو یہ کام کہ ساری کائنات کا رب واحد ہے اور تمام امور اکیلا ہی انجام دے رہا ہے اس کی رسائی سے بالاتر ہے کہ ان حقائق تک پہنچنے کیلئے نورِ نبوت سے اکتساب ضروری ہے اور وہی ان بلندیوں تک رہنمائی کر سکتا ہے - یہ اتنی عظیم بات ہے کہ لوگ کلمہ پڑھنے اور اقرارِ توحید و رسالت کرنے کے بعد بھی بھٹک رہے ہیں - عہدِ نبوی مثالی عہد تھا پھر اس کے بعد دورِ صحابہ اور پھر تابعین کا زمانہ اس کے بعد اگرچہ لا الٰہ کی ضرب اس قدر شدید اور کاری تھی کہ کوئی کلمہ گو پتھر کی مورت نہ بنا سکا مگر خیالی مشکل کشاؤں اور حاجت براری کرنے والوں کی ایک فوج نظر آتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے رواجاً کلمہ پڑھ لیا ہے کہ نسل بعد نسل آ رہا ہے - اس کے حقائق کی طرف توجہ نہیں دے سکے کہ اس کے لئے انواراتِ نبوت کی ضرورت تھی جن سے لوگوں کے دل خالی ہیں مگر اسی حقیقت کو جاننے کیلئے دلائلِ تکوینی بھی تو موجود ہیں جو بنظرِ غور مطالعہ کئے جائیں تو انسان کا رُخ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیرنے کیلئے بہت کافی ہیں سو یہاں ان ہی سے بحث فرمائی ہے کہ بلا شبہ آسمانوں کی بناوٹ ان میں فرشتوں کا قیام اور ان کا امورِ دنیا پہ مقرر کیا جانا یا بیت المعمور اور بیت العزہ کہ نزولِ تجلیات کا سبب ہیں کا بنانا یا ان سے شمار حقائق کا ان میں سمو دینا جو ان کو نظامِ دنیا کیلئے بھی ایک سیکرٹیریٹ کا درجہ دے رہے ہیں اور زمین کی بناوٹ کہ جملہ سیاروں کی توجہ کا مرکز ہے خزانوں سے معمور رزق سے بھری ہوئی پانی سے لبالب اور مخلوقِ خدا کو اپنی گود میں لئے ہوئے اس پر دن اور رات کی آمد

غرضکہ نظامِ دنیا کے قیام میں ان کو ایک خاص دخل ہے اور تعمیرِ حیات کیلئے جہاں سورج کی تمازت ضروری ہے وہاں رات کی پہنائیاں بھی کم ضروری نہیں اور پھر اسی نظام کو قائم رکھنے کیلئے سمندروں کی تخلیق اور ان کے سینوں پر کشتیوں وزنی جہازوں کی آمد و رفت کہ انسانی زندگی کی بقا کا اور انسانوں کے منافع کا ایک بہت بڑا سبب ہیں اور پھر اس پانی کے خزانے کو آسمان سے یا بادل سے نازل کرنے کا اسلوب کہ عین وقت پر اور صحیح جگہ پر اور ٹھیک اندازے کے مطابق نازل ہوتا ہے پھر قطرہ قطرہ برس کر جل تھل کر دیتا ہے اور دریاؤں کو کناروں سے باہر اچھال دیتا ہے اگر اسی طرح کا دریا اوپر سے انڈیل دیا جاتا تو آبادیاں تباہ ہو کر رہ جاتیں۔ مگر ایسا نہیں بلکہ ایک خاص طریقے سے اترتا ہے اور زمین کی نس نس میں پہنچ کر اس کی تازگی کا سبب بنتا ہے اور اس کے مردہ سینے کو زندگی سے معمور کر دیتا ہے کہ ہر ذرہ کروٹ لیتا ہے اور نباتات سے بھر جاتا ہے اور پھر پھیلا دیا ہے حیوانات کو روئے زمین پر کہ یہی پانی اور اس کے باعث اگنے والی غذا ان کی زندگی کا سبب ہے اور ہواؤں کو خاص اندازے سے خاص موسموں میں چلانے میں کہ سب چیزوں کو زندگی بخشتی ہیں اور ان کی پرورش کرتی ہیں کبھی گرم ہو کر اور کبھی سرد ہو کر کبھی پیدا تو کبھی پھیلا ہے اور پانی کے اس سمندر پر مقرر فرمایا کہ جو زمین و آسمان کے درمیان بادل کی صورت میں معلق ہے اگر کچھ حصہ برسے تو برداشت نہیں ہو سکتا خدانخواستہ سارا گر پڑے تو کیا ہو تو گویا یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کیلئے مدار کی حیثیت رکھتا ہے اور سب کاموں کا اپنے صحیح وقت پر درست انداز میں پورا ہونا ہی جہاں کی آبادی کا سبب ہے اور جو واقعی ہو رہا ہے اس میں توحیدِ باری کی بہت بڑی دلیل موجود ہے ہاں ان استدلالات کو سمجھنے کیلئے عقلِ سلیم کی ضرورت ہے معاذ اللہ اگر کہیں اس نظام کی کوئی کڑی کسی اور کے ہاتھ میں بھی ہوتی تو یقیناً کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مقام پر ضرور اختلاف پیدا ہوتا جو دنیا کی ویرانی کا سبب بن جاتا مگر ایسا نہیں ہے ہر شئے اور ہر کام اپنے مقرر وقت پر انجام پا رہا ہے عرشِ علی سے تحت الثریٰ تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہے تو یقیناً یہ ایک ہی حاکم کے حکم پر عمل ہو رہا ہے اور وہی اکیلا عبادت کا مستحق بھی ہے۔ مگر لوگوں کا حال عجیب ہے۔ و من الناس ...... تا ...... ان اللہ شدید العذاب (۱۶۵) کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اوروں کو بھی کارساز سمجھتے ہیں اور اس طرح ان کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جو محبت اللہ سے رکھنی چاہیے تھی وہ محبت ان باطل خداؤں سے رکھتے ہیں کہ جب ان سے توقع کارسازی کی رکھتے ہیں تو یقیناً محبت بھی رکھیں گے مگر مومنین ایسا ہرگز نہیں کرتے بلکہ سب سے اشد محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔ مشرکین کی محبت تو جلب منفعت کی ہے ہر دروازے پر کسی شئے کو حاصل کرنے کی لالچ میں سر رکھتے ہیں۔

اگر جان یا مال اور اولاد پہ زد پڑتی نظر آئے تو چونکہ ان کی محبت مشرک پر اپنے معبود کی محبت کی نسبت غالب ہوتی ہے اپنے معبود کو چھوڑ دیتا ہے ان کو نہیں چھوڑ سکتا مگر مومن کی شان دوسری ہے کہ طبعاً مال، جان، اولاد سب سے محبت تو رکھتا ہے مگر ایسی نہیں کہ یہ چیزیں اسے اللہ سے بیگانہ کر دیں اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو اللہ کے نام پر ان سب کو قربان کر دیتا ہے مگر اس کے در کو اور اس کے نام کو نہیں چھوڑتا کہ تمام محبتوں پر اسی کی محبت غالب رکھتا ہے اور یہی ماحصل ہے تصوف کا کہ اس قدر اللہ اللہ کرے کہ دل و دماغ میں رچ بس جائے سارا جہان چھوٹ جائے مگر اللہ کا نام نہ چھوٹے۔ سبحان اللہ۔ سو کیا ہی بہتر ہوتا کہ ظالم بھی مصائب کو دیکھ کر سمجھ پاتے کہ بجز اللہ کے کوئی انکو روکنے والا نہیں نہ کسی کی جرأت ہے کہ ان کو ٹال سکے اور نہ کوئی شدتِ مصیبت میں یاد ہی رہا کہ یہ حال اگر دنیوی مصائب میں ہے تو اُخروی گرفت تو اس سے شدید تر ہوگی وہاں کون آڑے سکے گا کہ ساری قوت و طاقت اسی ذاتِ واحد کو سزاوار ہے کام آنا تو دُور کی بات ہے باطل میں اپنی پیروی کرانے والے تو اُلٹے اس روز اپنے پیروکاروں سے بیزار ہو جائیں گے۔ اذ تبرا الذین..... تا ..... وما ھم بخٰرجین

من النار (۱۶۶-۱۶۷) کہ ان کے اعمال کی سزا کا تصور ہی جان لیوا ہوگا جبکہ اپنے ذاتی اعمال ہی انہیں دوزخ میں دھکیل رہے ہونگے تو جن لوگوں نے ان کے پیچھے لگ کر باطل راہ اپنائی ان کا بوجھ بھی اوپر لادا جائیگا سو وہ ان سے سخت بیزار ہونگے مگر اس وقت اسباب منقطع ہو چکے ہونگے اور جان چھڑانے کا کوئی ذریعہ نہ پاسکیں گے نیز غلط کاروں کے پیرو خود ان کی حالت دیکھ کر سیر ہو جائیں گے کہ یہ رفاقت تو جہنم میں لے چلی تو خواہش کریں گے کہ کاش دنیا میں لوٹ کر جانا ہوتا تو جیسے یہ آج ہمیں آنکھیں دکھا رہے ہیں ہم بھی ان کو کھری کھری سناتے مگر یہ سب صرف ان کو اپنے کئے پر حسرت دلانے کیلئے ہوگا ورنہ دونوں گروہوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ رہیں گے دوزخ ہی میں اور کبھی آگ سے نکل نہ سکیں گے

رکوع ۵ :- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا

مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَ
اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ
كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ
بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ
بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى
وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ
لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝

ترجمہ:

اے لوگو! ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ کے ذمے تم وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پائی ہو اور ان کی مثال جو کافر ہیں اس شخص کی سی ہے جو اس چیز کو پکارتا ہے۔ جو سوائے پکار اور آواز کے نہیں سنتے، وہ بہرے ہیں گونگے ہیں۔ اندھے ہیں پس وہ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو اللہ کے سوا اور کے نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے پس جو لاچار ہو جائیں نہ سرکشی کرنے والا ہو، اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے، مگر آگ۔ اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ اور نہ انہیں پاک کریگا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو بدلے ہدایت کے خریدا۔ اور عذاب کو بدلے بخشش کے۔ پس دوزخ کی آگ پر ان کا کتنا بڑا صبر ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ اتاری اور بے شک جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ ضد میں بہت دور جا پڑے۔

اسرار و معارف: رکوع ۵۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ ...... تا ...... مَا لَا تَعْلَمُونَ (۱۶۹-۱۶۸)

لوگو! ان ساری بربادی کا بنیادی سبب اللہ کی نافرمانی ہے کہ زندگی میں ہر شخص کی ساری محنت و مشقت دراصل غذا حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے تو یاد رکھو روئے زمین پر ساری غذا تمہارے ہی لئے ہے مگر اللہ نے اس میں حلال و حرام مقرر فرما دیئے ہیں سو اگر تم ابدی ہلاکت سے بچنا چاہتے ہو تو غذا حلال اور طیب کھاؤ تاکہ تم

شیطان کی پیروی سے بچ سکو کیونکہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم اس کی اطاعت اختیار کروگے تو بھی خوش ہو کر تمہیں سیدھی بات نہ بتائے گا بلکہ ہمیشہ برائی اور بے حیائی پر اکساتا رہے گا اور تمہارے منہ سے ذاتِ باری پہ جھوٹ اگلوائے گا کہ اللہ کا حکم نہ ہوگا مگر تم اس بات کو اللہ کی طرف منسوب کروگے یا پھر اللہ پر اعتراضات کرتے رہوگے کہ حلال وحرام وہی ہیں جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں نہ یہ کہ شیطان کے بہکاوے میں آکر تم حلال کو حرام سمجھ بیٹھو اور حرام چیزوں کو حلال کہہ کر کھاتے رہو کہ لوگ بعض حلال جانوروں کو بتوں کے نام کر کے چھوڑ دیتے اور پھر ان کا کھانا حلال نہ جانتے تھے کسی قدر مشابہت آج کے دور میں بھی پائی جاتی ہے کہ مسلمان بھی کئی جانوروں کو بعض بزرگوں کے نام سے مختص کر دیتے ہیں اور پھر اپنے پر اس کو حلال نہیں سمجھتے یہ سراسر ناجائز اور سخت گناہ ہے اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام سے مختص ہو جائے جب تک اس خیال سے رجوع اور توبہ نہ کی جائے حرام ہوگا اور مردار کے حکم میں ہوگا سو ان کو ان کی اصلی حالت پر چھوڑ کر کھا ڈیو اور یہی بات جب ان لوگوں سے کہی جائے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ..... ت ..... صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (۱۷۰-۱۷۱)

کہ اللہ کے احکام کی پیروی کرو تو کہتے ہیں بھلا ہم باپ دادا کے رواج کو کیوں چھوڑ دیں اور ان کی اطاعت کیوں نہ کریں ان کی اطاعت ضرور کرتے لیکن اس شرط پر کہ وہ یعنی ان کے آباؤ اجداد سمجھ رکھنے والے اور ہدائیت یافتہ بھی تو ہوتے کہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت بن جاتی مگر حال یہ ہے کہ ان یعنی کفار کے آباؤ اجداد نہ تو ہدائیت پر تھے اور نہ سمجھ ہی رکھتے تھے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے۔ بعض لوگ یہ آیات تقلید آئمہ مجتہدین کے خلاف پڑھ دیتے ہیں جو صریحاً زیادتی ہے اور مدلولِ آئیت سے فرار بلکہ اس آئیت نے تقلید کا دو بارہ دو الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے ایک یہ کہ عقل رکھتا ہو احکامِ دین کا استخراج کر سکے اور قرآن و سُنت کا علم یعنی ہدائیت رکھتا ہو اگر یہ دو وصف نہ ہوں تو اندھی تقلید ہوگی جو باطل ہے ورنہ حق میں تو تقلید ضروری ہے کہ خود قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول موجود ہے

کہ میں نے اتباع کیا اپنے اباء ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کا ہاں خلاف سُنت امور میں یا فرائض و واجبات میں احکامِ الٰہی کے خلاف کرنا اور جاہل باپ دادوں کے رواج کو اپنانا سخت ظلم ہے اس کے ساتھ اگر یہ گمان بھی رکھے کہ صحیح طریقہ یہی ہے جو مروج ہے اور احکامِ دین معاذ اللہ فضول ہیں تو کافر ہوگا۔ جیسے آج کل عموماً کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ کام سنت یا شریعت کے احکام کے مطابق کروں تو نکّی ہوگی ایسا کہنے والا ایمان نہیں بچا سکتا اگر خلاف سنت بھی کر گزرے تو کم از کم یہ احساس ضرور ہو کہ حق تو راہِ سنت ہے میرا کام

غلط ہے تاکہ ایمان بچ سکے یہ حال تو مسلمان کا ہے کفار تو سراسر باطل پہ جمے ہوئے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی پیروی بہ نسبت احکام الٰہی ضروری خیال کرتے ہیں یہ تو ایسے گئے گزرے ہیں کہ ان پر نصیحت کا بھی اثر نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص ایسی شئے کو پکار رہا ہو جس میں سننے کی صلاحیت ہی نہ ہو سوائے چیخ و پکار کے بلکہ یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اور اس کے ساتھ انتہائی بے وقوف اور بے عقل ہیں کہ سمع و بصارت کو محض پیٹ بھرنے کے لئے استعمال کرنا تو شرفِ انسانیت نہیں ہے بلکہ یہاں تک تو سب جانور بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں ان کا مصرف اصلی تو حصول معرفت تھا جس سے یہ محروم رہے تو گویا آنکھ کان رکھتے ہوئے بھی بہرے گونگے اور اندھے ہی رہے و نیز تمام دماغی قوتوں کو بھی محض دنیا کمانے کیلئے ہی صرف کیا حالانکہ یہی قوتیں دلائل حقہ کو سمجھنے کا ذریعہ بھی تھیں تو گویا اس نے عقل کو بھی ضائع ہی کر دیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ ...... اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۷۳-۱۷۲)

سو اے ایمان والو یہ سب چیزیں میں نے تمہیں ہی روزی میں دی ہیں اور نوع انسانی کیلئے یہ سارا نظام ہے مگر یاد رکھو ان میں سے طیّب کھاؤ یعنی پاکیزہ کہ حلال بھی ہو اور پاک بھی کہ طیّب صرف حلال ہی نہ ہوگا بلکہ پاک بھی ہو۔ اصل میں انسانی مزاج غذا ہی سے تعمیر پاتا ہے حرام غذا کی ایک خاص نحوست اور کیفیت ہوتی ہے جو اللہ سے دور کرتی ہے اور شیطانی القا کو قبول کرتی ہے جیسے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ طویل السفر اور پریشان حال اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر کھانا پینا لباس ان کا حرام ہوتا ہے سو دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے سو حرام سے قوت حاصل کر کے زبان حق بیان نہیں کر سکتی اور کان حق سن نہیں سکتے آنکھوں میں حیا نہیں رہتی اور دل میں نور نہیں رہتا سو انسان پر شیطان کا اثر قوی ہو جاتا ہے اور وہ اسی کے نقشِ قدم پر چل نکلتا ہے مگر رزقِ حلال سے ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے حق گوئی اور حق پرستی کی قوت نصیب ہوتی ہے عبادات کیلئے دل میں ذوق پیدا ہوتا ہے اور دل کی آہ عرش تک پہنچتی ہے اور گناہ سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے سو اگر تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو حلال کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اور محض اپنی طرف سے کوئی شخص قید لگا کر کسی شئے کو حرام نہیں کر سکتا بلکہ حرام وہی ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ ...... تا ...... غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۷۳-۱۷۲) کہ اللہ نے تو مردار خون لحم خنزیر اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو کو حرام کیا ہے کہ بنیادی طور پر تمام جانوروں کو ان

چار قسموں میں پرکھا جا سکتا ہے جو ان میں ہو وہ حرام علاوہ اس کے سب حلال۔ سب سے پہلا ہے میتہ یعنی مُردار اس کا مصداق وہ جانور ہیں جن کے حلال ہونے کیلئے ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے مر جائیں یا مار دیئے جائیں جیسے گلا گھونٹ کر یا پتھر وغیرہ سے ضرب پہنچا کر اور دوسری قسم مُردار کی وہ ہے کہ جانور شرعی طور پر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتے وہ جب بھی جس حال میں مریں یا مارے جائیں مردار ہونگے اور ان سے نفع حاصل کرنا یا کھانا جائز نہ ہوگا سوائے ان جانوروں کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ذبح کے حلال قرار دیئے ہیں جیسے مچھلی اور ٹڈی کہ ارشاد ہے ہمارے لئے دو مُردار حلال کر دیئے گئے ایک مچھلی دوسرے ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے گئے جگر و طحال (ابن کثیر) ان میں بھی جو مچھلی سڑ کر پانی کے اُوپر آئے حلال نہیں رہتی نیز ذبح میں ایسے جانور جو شکار کئے جاتے ہیں اگر قابو نہ آ سکیں تو تکبیر پڑھ کر دھار دار چیز سے زخم لگائیں تو بغیر ذبح کے حلال ہوگا اور وہی اس کے ذبح کا حکم رکھے گا مگر شرط ہے کہ چیز دھار دار ہو اور کاٹے توڑے نہیں مثلاً تیر یا خنجر وغیرہ اگر بندوق کی گولی سے جانور مرا تو وہ اس حکم میں ہوگا جیسے لاٹھی یا پتھر کی چوٹ سے مرا اس لئے اس کو مرنے سے پہلے ذبح کرنا ضروری ہے بیشک گولی نوکدار ہو کہ کوئی گولی دھار دار نہیں ہوتی اور نوکدار کی نوک میں بھی کاٹنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی بارود کے زور سے گوشت اور ہڈیوں کو توڑتی ہے اور ظاہر ہے جیسے مردار کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس سے نفع اُٹھانا یا کسی دوسرے کو کھلانا بھی ناجائز حتیٰ کہ جانور کو بھی مردار نہ کھلایا جائے بلکہ کسی ایسی جگہ رکھ دے جہاں سے کوئی کتا بلی وغیرہ خود اُٹھا کر کھالے۔ ہاں مردار کی ہڈی، کھال، بال وغیرہ جو چیزیں کھانے کی نہیں ہیں اُن سے نفع اُٹھانا جائز جیسے ارشاد ہے وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ میں مطلقاً اجازت ہے ذبح شرط نہیں۔ ہاں ہڈی خشک ہو کہ گوشت یا چربی کا اثر نہ ہو اور کھال کی دباغت کی جائے کہ یہ اثرات نہ رہیں۔ گوشت کی طرح چربی بھی حرام ہے اور مُردار کی چربی سے صابن وغیرہ بنانا بھی ناجائز جیسے اکثر یورپ سے آنے والے صابن وغیرہ میں اس کا احتمال زیادہ ہے بلکہ ممکن ہے خنزیر کی استعمال ہو اس لئے احتیاط ضروری ہے۔ ہاں علم قطعی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے مگر جن ڈبوں پر لکھا ہو کہ اجزا خنزیر سے شامل ہیں وہ تو قطعی حرام ہوئے۔

دوسرا حرام خون ہے یہاں اگرچہ صرف لفظ دم استعمال ہوا ہے مگر سورہ انعام میں ساتھ مسفوح بھی ہے یعنی بہنے والا۔ تو وہ خون جو عند الذبح بہتا ہے حرام ہوگا یا زخمی جانور کے زخم سے بہنے والا ہاں بعد ذبح اگر گوشت میں لگا رہ گیا تو وہ اس حکم میں شامل نہیں اور ذبح میں حلقوم کو کاٹے اور گردن کی

دونوں طرف کی رگیں احتیاط سے کاٹے کوئی رگ رہ نہ جائے نیز گردن کو توڑ کر پیچھے مروڑ کر حرام مغز کو کاٹنا مکروہ ہے کہ اس کے کٹنے سے دل کی حرکت فوراً معطل ہو جاتی ہے جس سے خون کے جسم میں رہ جانے کا امکان ہے جو قصاب وغیرہ عموماً کاٹ دیتے ہیں کہ اس طرح جانور کے مرنے میں جلدی ہو جاتی ہے نیز خون کا بیچنا بھی حرام ہے۔ ایک مسئلہ دورِ حاضرہ کا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کا خون دیا جاتا ہے سو یہ ایک طرح کا اضطرار آ جاتا ہے کہ اس کے بغیر مریض جانبر نہ ہو سکتا ہو دوسرے ٹیکے سے لیا جاتا ہے اور ٹیکے سے رگ میں داخل کیا جاتا ہے جس میں کھانے پینے کا سوال نہیں سو وہ اس حکم میں نہیں آتا کہ ناجائز ہو ہاں اس کی تجارت درست نہیں انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر فراہم کیا جانا چاہیئے۔

تیسری شئے لحم خنزیر ہے یعنی کسی بھی حال میں اس کا گوشت تک حلال نہیں سو باقی تمام اجزا بھی باجماعِ اُمّت حرام ہیں کہ یہ نجس العین ہے بلکہ اس کی اجرت لینا تک حرام ہے مثلاً کوئی خنزیروں کی چرائی پہ نوکر ہو یا کسی کے پالتو خنزیروں کا چوکیدار ہو وغیرہ یا کسی ٹرک وغیرہ میں لاد کر پہنچائے اور اجرت لے یہ سب حرام ہے۔ یہی حکم شراب اور سُود کا ہے۔ شراب کی مزدوری اور سُود کی گواہی تک حرام ہیں۔

وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ۔ چوتھی شئے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے نام کر دیا جائے اس کی تین سورتیں ہیں اوّل کہ کوئی جانور غیر اللہ کے تقرب کیلئے ذبح کیا جائے اور وقت ذبح اُسی کا نام لیا جائے یہ جانور مردار ہوگا اور اس کی کسی شئے سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ کہ کسی بھی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کیا جائے اور وقتِ ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے یہ بھی حرام اور مردار کے حکم میں ہے اور کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں خواہ ہندو یا غیر مذاہب بُت یا دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے کریں یا مسلمان پیروں بزرگوں اور اولیاء اللہ کو خوش کرنے کے لئے حکم دونوں کا ایک ہے کہ دونوں میں تقرب غیر اللہ مقصود ہے اور اشتراکِ علت سے حرام ہوگا نیز یہ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے حکم میں آکر بھی حرام ہوگا کہ نصُب ان تمام کو کہا جائے گا خواہ اشیاء ہوں یا افراد جن کو مانا جائے یا اُن کی وہ عظمت تسلیم کی جائے جو صرف اللہ کا حصّہ ہے اور ایسی عاجزی ان کے سامنے کی جائے جو صرف اللہ کیلئے ہے خواہ وہ فرشتہ اور نبی ہی کیوں نہ ہو جیسے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے پھرتے ہیں تو اگرچہ عیسےٰ علیہ السلام اللہ کے برحق نبی مگر عیسائی غیر اللہ کے پجاری قرار پائے۔ اب اگر ان کا قرب حاصل کرنے کو جانور ذبح کرینگے خواہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیں حرام ہوگا یہی حال پیروں کے مرغوں اور بکروں کا ہے کہ کسی بھی بزرگ کا تقرب

چاہنے کیلئے ذبح کرے حرام قرار پائے گا اور اس کا کھانا ناجائز۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی جانور اللہ کے بغیر کسی اور کے نام پر مختص کر دیا جائے اور اسے ذبح کرنا یا بیچنا یا اس سے کام لینا ناجائز تصور کیا جائے وہ مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے حکم میں بھی داخل ہو اور وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ کے حکم میں بھی۔ ان ہی کو بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کہا گیا ہے نیز ان کے حرام سمجھنے سے جانور حرام نہیں ہوجاتا اگر اس عقیدے سے توبہ کر لے تو ذبح کرے یا کوئی دوسرا جو اس گمراہی میں مبتلا نہ ہو مثلاً باپ نے بکرا پیر کے نام چھوڑ رکھا مگر بیٹا اس خیال سے متفق نہ ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرے حلال ہوگا ہاں اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس جانور کو صدقہ کر کے ثواب کسی بزرگ کو پہنچائے تو اسے اللہ کے نام پر صدقہ کرے اور جو ثواب حاصل ہو وہ مرنے والے کو بخشے درست ہے کسی زندہ کو دے دے درست ہے نیز شرعاً یہ جانور اسی کی ملک ہوتا ہے اگر بیچ دے تو جائز ہے یا ہبہ کرے درست ہے ایسے ہی وہ جانور جو ہندو وغیرہ مندروں میں دیتے تو چڑھاوا ہیں مگر پجاریوں کو اختیار دیتے ہیں کہ رکھیں یا بیچیں یا جاہل مسلمان مزارات وغیرہ پر دے کر مجاوروں کو اختیار دے دیتے ہیں ان کی خرید و فروخت جائز ہے مگر وہ چیز کہ جو صرف قبر پر رکھ دی جائے یا مزار پر چھوڑ دی جائے تو چونکہ قبر تو مالک ہو نہیں سکتی اس لئے وہ اسی آدمی کی ملکیت رہتی ہے اس کی خرید و فروخت کیلئے مالک کی اجازت ضروری ہے یہی حال نذر اور منّت کے جانوروں کا یا مٹھائیوں کا ہے خواہ ہندو مندر میں دے یا مسلمان مزار پر اشتراک علیت یعنی تقرب الیٰ غیر اللہ کی وجہ سے مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہو کر حرام ہے اور اس کا کھانا کھلانا بیچنا سب حرام ہیں تفصیل کتب فقہ سے ملاحظہ ہو۔

حرام چیزوں کے بیان کے بعد ایک حکم استثنائی ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے قریب المرگ ہو جائے کہ نہ تو کھانے میں لذت کا خواہشمند ہو اور نہ ضرورت سے زیادہ کھائے تو اس حال میں ان حرام چیزوں سے بھی کھا لے تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ یعنی یہ دونوں شرطیں پائی جائیں اوّل تو بغیر اس شئے کے کوئی چیز دستیاب نہیں اور بیر بغیر کھائے یا بیئے موت کا اندیشہ ہے اور دوسری شرط یہ ہے نہ لذت طلبی ہو نہ پیٹ بھر کے کھائے صرف اس قدر کھائے کہ موت سے بچ جائے اس صورت میں حرام حلال نہ ہوگا رہیگا حرام ہی مگر اس آدمی پر کچھ گناہ نہیں فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ یعنی اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہی حال حرام دواؤں کا ہے کہ بغیر اس دوا کے چارہ نہ ہو آدمی کو موت کا خطرہ اور اس کے بغیر کوئی صورت ممکن نہ ہو۔ محض معمولی تکلیف میں اور حلال و جائز دواؤں کے ہوتے ہوئے اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ حکم ان ولایتی دواؤں کا ہے جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا یقینی معلوم ہو جن میں ایسے

اجزا کا وجود مشکوک ہو ان میں اور بھی گنجائش ہے مگر احتیاط بہرحال لازم ہے واللہ اعلم وعلمہ اعظم واتم۔

ان الذین یکتمون ۔۔ ما ۔۔ لفی شقاق بعید۔ (۱۷۶ - ۱۷۵)

چونکہ یہ احکام رواجات سے براہ راست متصادم ہیں اور ہر دور میں انسانی کمزوری رہی ہے کہ کسی نہ کسی شے کو آسرا بنائے رکھتا ہے اور اس پہ نذر نیاز چڑھا کر مطمئن ہو جاتا نیز یہی شے راہبوں، پادریوں اور پیروں کو اظہار حق سے مانع بھی ہے کہ ایک تو رواج سے براہ راست ٹکر لینا مشکل ہے اور دوسرے اس میں کافی آمدن بھی جسے چھوڑنا آسان نہیں سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر کی اُمتیں بھی اسی مرض کا شکار تھیں اور علماء سُو نے اپنی آمدن کے ذرائع بنا رکھے تھے اور باطل مذاہب کی تو بنیاد ہی یہی چیزیں ہیں۔ مشکل تو یہ تھی کہ آسمانی مذاہب کے ماننے والے بھی اسی طوفان میں گھر چکے تھے اور بدنصیبی یہ ہے کہ مرورِ زمانہ نے مسلمان کو جو اکیلا مذہب حقہ کا وارث ہے اسی دلدل میں پھینک دیا ہے۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ شیرینیاں بٹتی ہیں اور قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا غریب اُدھار لیکر بکرا نظر کرتا ہے کہ اُدھار کی مصیبت سے چھوٹ سکے مگر نادان اور دھنستا چلا جاتا ہے اور بڑی بڑی توندوں والے مزار فروش تجوریاں بھرتے رہتے ہیں لوگوں کو روکھی سوکھی اور صبر کی تلقین کرکے گھر میں انگریزی کھانے پکواتے ہیں اور لوگوں کو مسجد کی دعوت دیکر گھر میں عریاں فلمیں دیکھتے ہیں۔ سو ایسے لوگ کب جرات کرتے ہیں کہ ان حقائق سے پردہ اُٹھائیں تو اللہ کریم نے اس جرم کو اور اس کی شدت کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ احکام الٰہی کو جو اللہ نے کتب میں نازل فرمائے ہیں چھپاتے ہیں اور اس فعل کو ذریعہ آمدن بنائے ہوئے ہیں یا دولتِ دنیا لیکر احکام شرعی کو بدل دیتے ہیں یہ دونوں باتیں ایک سی ہیں کوئی غیر اللہ کے نام کی نیازیں وصول کرتا رہے اور لوگوں کو یہ یقین دلاتا رہے کہ یہ جائز بلکہ بہت بڑا ثواب ہے یا پیسے لیکر کوئی حکم بدل کر بتائے تو ایسے لوگ سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہیں کھا رہے ہیں یعنی یہ مال بظاہر تو دنیا کا رزق ہے مگر اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ نارِ جہنم ہے اگرچہ دنیا میں عام انسان کو نظر نہ آرہا ہو۔ دوسری مصیبت اس کی یہ ہے کہ ولا یکلمھم اللہ یوم القیمۃ۔

کہ روز محشر اللہ کریم ان سے مطلقاً بات نہیں کریں گے اگرچہ بعض کفار کو بھی اتنی اجازت تو ہو گی کہ عرض معروض کریں اور اتمام حجت کے بعد ان پر حکم لگایا جائے گا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری عرض سُنی جائے بلکہ دوزخ میں داخلے کے بعد بھی اللہ کو پکاریں گے تو ایک جھڑک سی مگر جواب تو پائیں گے

کہ دوزخ میں ہی نامرادی کا شکار رہو اور آئندہ مجھے پکارنے کی جرأت نہ کرنا مگر ایسے لوگ جو حرام کو حلال بلکہ ثواب بتا کر دولت جمع کر رہے ان کو یہ سزا میدان حشر سے ہی شروع ہو جائیگی کہ خطاب الٰہی سے محروم ہونگے

اور انہیں پاک نہیں کیا جائیگا کہ حدیث شریف میں آتا ہے جب کوئی مسلمان حرام کا مال کھائے تو جو گوشت رزق حرام سے بنے اسے دوزخ میں جلایا جائیگا پھر اللہ کریم نیا گوشت عطا فرما کر اسے جنت میں داخل فرمائینگے کہ حرام کا کوئی ذرہ جنت میں نہ جائیگا مگر یہ لوگ اس سے بھی محروم ہونگے وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ ان کو پاک بھی نہ کیا جائیگا اور ان کیلئے عذاب بھی بہت دردناک ہوگا یعنی بہت سخت اور بہت زیادہ ایذا دینے والا عذاب عام دوزخیوں کی نسبت بہت دکھ دینے والا ہوگا کہ ایسے لوگ جو گمراہی کے بدلے ہدایت کو چھوڑ دیتے ہیں گویا وہ خود معرفتِ الٰہی کو ٹھکرا کر عذاب خریدتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ پر کس قدر صبر کئے بیٹھے ہیں جاہل بزعم خود عیش کر رہے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ دوزخ کی آگ کھا کر کونسی عیش نصیب ہوگی۔ اگرچہ یہ بہت سخت سزا ہے مگر یہ بلاوجہ نہیں بلکہ ان کا جرم بھی بہت شدید ہے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی کہ نوعِ انسانی کیلئے باعثِ حیات تھی مگر ان بدبختوں نے محض پیٹ بھرنے کیلئے کہیں عزارت اور تحریف بنا کر لوگوں کو روحانی موت سے ہمکنار کیا اور مٹھائی کا لیبل لگا کر زہر کھلائی اور بجائے احقاقِ حق کے کتمان حق کے مرتکب ہوئے سو یہ بہت سخت جرم تھا اور یہ پکی بات ہے کہ جو بھی اللہ کی کتاب میں بے راہ روی اور کجروی اختیار کرے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہوا اور اسی نسبت سے سخت ترین سزا کا حقدار۔

رکوع ٦ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ
ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ
وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ
بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ
فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ۝ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ
خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا
عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ
مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۲۲

ترجمہ:

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والوں ہیں ہیں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں۔ یہ لوگ ہیں جو سچے (کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جا سکتے) ہیں۔ اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارے میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے عوض میں ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمے) معقول طور پر (خون بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمے) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا۔ یہ (قانونِ دیت و عفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف ہے اور (شاہانہ) ترحم ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ اور فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانونِ امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔ تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمے یہ ضروری ہے۔ پھر جو شخص (اس وصیت کے) سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کرے گا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو تبدیل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ تو (خود گناہوں کے) معاف فرمانے والے ہیں اور (گنہگاروں پر) رحم رحم کرنے والے ہیں۔

اسرار و معارف: رکوع ۲۲ شروع

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ .... تا .... وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۱۷۷

شروع سورت سے یہاں تک رُوئے سُخن معاندین کی طرف تھا اور ضمناً مسلمانوں کو بھی خطاب فرمایا جاتا رہا مثلاً اولاً ایمان کی بحث پھر انسانوں کی اقسام بلحاظ عقائد اور پھر نوعِ انسانی کو دعوتِ عبادت صداقتِ قرآن اور حقانیتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اثباتِ توحید اور پھر کفار کے اعتراضات کے جواب اور اسی ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر احسانات و انعامات اور پھر قبلہ کی بحث چلی اور عبادات اور ان کا اجر مذکور ہوا اور ازاں بعد شرک کے اصول — کا ابطال یہ سب مضامین نصف سورہ تک آئے ان کے بعد اب تقریباً آیات میں جو تقریباً نصف سورت ہیں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے گو ضمناً خطاب کفار کو بھی ہو اور یہ بحث اس موضوع پر شروع ہوئی کہ نیکی کیا ہے اور کیا نیکی نہیں ہے چونکہ کفار اپنی رسومات کو نیکی منوانے پر مصر تھے تو اللہ کریم نے لفظِ بِرّ سے بحث کا آغاز فرمایا تو زندگی کے ہر پہلو میں نیکی کو بیان کر دیا مثلاً احکام قصاص، وصیت، روزہ و جہاد حج و انفاق، حیض و ایلاء، و طلاق، عدت و مہر اور بعض معاملات بیع و شرا کے بیان کرنے کے بعد وعدۂ رحمت و مغفرت پہ اس کو تمام کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علیؒ تھانوی نے اس مجموعہ کا نام ابواب البِرّ رکھا ہے۔

سو ارشاد ہوا کہ نیکی اسی پہ ختم نہیں کہ تم تعینِ قبلہ میں اُلجھے رہو کہ فلاں سمت منہ کرنے والا اچھا ہے یا دوسرا بلکہ اصل کمال تو اللہ پر ایمان ہے جیسا کہ اس کی ذات ہے اور جیسی اس کی صفات ہیں اللہ کا تصوّر یا کسی ایسی ہستی کا تصوّر جو سب پر غالب اور آخری حیثیت رکھتی ہو تو ہر مذہب میں موجود ہے مگر اس ذات کے اوصاف اہل مذہب نے اپنی سمجھ کے مطابق مقرر کر رکھے ہیں حالانکہ ایمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ واقعی جیسا ہے اس کو ایسا ہی یقین کرے تو اس کی تعین صرف اور صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کر سکتے ہیں جن کو خود اللہ اپنی ذات اور صفات کے بارے علم و آگہی بخشتا ہے سو ایمان باللہ کیلئے ضروری ہو لکہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منوائیں اس طرح مانے اس کی قدرت اور اسکے علم پہ یقین کامل رکھتا ہو اسی کو اپنا خالق، مالک اور رازق جانتا ہو۔ غرض اعتقادات کی اساس ہے ایمان باللہ اگر یہی درست نہ ہو اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک جانے تو کیا فرق پڑا کہ اس کا منہ مغرب کو ہے یا مشرق کو اور پھر اسے یہ یقین کامل بھی حاصل ہو کہ ایک روز میں نے اس عالم الغیب و

الشہادہ کے حضور حاضر ہو کر اپنا حساب پیش کرنا ہے جو اللہ میرے ظاہر و باطن سے آگاہ، جو میری کلام اور اعمال سے واقف ہے اور جس نے نیکی و بدی کا معیار مقرر فرمایا ہے اسی کے سامنے پیش ہو کر اپنے کردار کی جوابدہی کرنا ہے نیز اُسے فرشتوں کے وجود پر اور کتابِ الٰہی کی صداقت پر یقین حاصل ہو اور انبیاءؑ کی صداقت و حقانیت پر صمیم قلب سے اعتماد رکھتا ہو دراصل انسانی مزاج ایسا ہے کہ ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق یہ چاہتا ہے کہ جو خیالات یا نظریات میرے ہیں وہی سارے جہان کے ہوں اور ہر کہ و مہ اسی کو قبول کرے یہ اُسی جذبے کی تسکین کا سامان تھا کہ کفار اپنے خیالات کو ہی مذہب اور عبادت کا درجہ دیتے تھے اور یہی شے آج مسلمانوں کو بھی باہم دست و گریبان کرا رہی ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات دوسرے پر ٹھونسنے کیلئے تیار ہے اور رواجات کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اختلاف رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے ہی خارج سمجھا جاتا ہے ایک مسجد والے دوسری مسجد والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کفار کا مساجد میں کیا کام۔ اگر اتنا ہی شوقِ جہاد ہے تو روئے زمین پر مسلمانوں کی نسبت کافر زیادہ بستے ہیں وہاں جا کر کام کرو اور ان کی اصلاح کا سامان کرو نہ یہ کہ جو لوگ اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں ان پر کفر کی تلوار چلاتے رہو۔ سو اللہ کریم نے اس آئیت میں یہ حق بندے سے لے لیا ہے کہ نیکی اور بدی کی تعین تیرا حق نہیں یہ میرا کام ہے تیرا کام نیکی کو اختیار کرنا اور برائی سے اجتناب ہے اس کے معیار کو فرشتے کتاب اور نبی کے ذریعے میں تجھ تک پہنچاؤنگا اسی طرح عبادات میں بھی رسوم کو دخل نہیں بلکہ وہی کام عبادت ہوگا جو اللہ فرمائے گا۔ سو دوسرے درجے میں انسان کو مال عزیز ہے۔ اللہ کریم نے اس کے کمانے کی تدبیر بتلانے کی بجائے اس کے مصارف ارشاد فرما دیئے ہیں اور یہ صورت صرف اسلامی معاشیات میں ہے کہ خرچ کی حدیں بھی مقرر ہوں ظاہر ہے جب خرچ اللہ کے حکم کے مطابق کرنا ہے اپنی پسند سے نہیں تو پھر اپنی پسند سے کمانے کی کیا ضرورت تو فرمایا اگرچہ طبعاً مال اس کو محبوب ہوتا ہے مگر اللہ کی ذات سے کم سو اس کی محبت میں مال کو رشتہ داروں پر، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کرتا ہے اور اس چیز کو زکواۃ سے مقدم ذکر فرمایا کہ صرف زکواۃ ادا کر کے کوئی مالی فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا نیز عموماً ان چیزوں کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے حالانکہ ضرورت ان اشیاء کو بھی فرض کر دیتی ہے مثلاً کوئی زکواۃ تو دے چکا مگر کسی رشتہ دار کی جان پر بن آئے تو اس کی مدد کرنا فرض ہوگا یا کوئی مسکین بھوک سے مر رہا ہو اور انسان کہے میں تو زکواۃ دے چکا نہیں بلکہ اس کی جان بچانا فرض ہوگا۔ اسی طرح ضرورت کی جگہ، مسجد کی تعمیر یا مدرسہ و مکتب وغیرہ یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کو صرف ضرورت فرض کرے گی ورنہ یہ فرض

نہ ہونگے اور زکواۃ ہر حال میں فرض۔ سو یہ لوگ نماز کو قائم کرنے والے یعنی اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والے اور زکواۃ دینے والے ہونگے۔ عبادات کے بعد درجہ معاملات کا ہے سو فرمایا ایسے لوگ جو اپنے وعدوں کو پورا کریں جن میں سر فہرست اللہ سے عہد ہے اللہ کے رسول سے عہد ہے - یہ لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد الرسول اللہ ایک مقدس عہد ہی تو ہے اس کے بعد کب زیب دیتا ہے کہ انسان ارشاداتِ نبوی کے مقابلے میں رسوم جاری کرے یا ان کو اہمیت دے۔ اسی لئے بزرگوں کا قول ہے کہ دوستی کرنے سے پہلے دیکھ کیا وہ اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہے اگر نہیں تو تُو اس پہ بھروسہ نہ کر کہ وہ اس قابل ہی نہیں۔ سو اسی طرح درجہ بدرجہ معاملات میں درستی رکھتا ہے اور اس کے بعد اخلاقیات کہ سختی اور تنگی میں صبر کرتے ہیں۔ یہی ایک ایسا وصف ہے کہ مندرجہ بالا تمام امور میں معاون ہے اور خود اس کی بنا اعتماد علی اللہ اور اعتماد علی الرسول پر ہے کہ اللہ میرے حال سے مجھ سے بڑھ کر آگاہ ہے اور میری ذات سے بھی زیادہ میرا بھلا چاہنے والا ہے سو اگر تنگی ہے تو یقیناً یہی میرے حق میں بہتر ہے بلکہ اگر سر کٹ رہے ہوں تو بھی استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کرتا ہے کہ جانتا ہے کہ اللہ کا چاہا ہی ہوگا اور اللہ وہی چاہے گا جو میرے حق میں بہت ہی بہتر ہوگا۔ حجاج بن یوسف جب مرض الموت میں تھا تو اس کی والدہ رو رہی تھی کہنے لگا امی کیوں روتی ہو لاکھوں لوگ میرے سامنے موت گھاٹ اترے آخر ایک روز مجھے بھی جانا ہی تھا سو وہ وقت آگیا تو کہنے لگی میرے رونے کا سبب یہ نہیں بلکہ اس بات پہ روتی ہوں کہ بعد موت تجھ سے کیا سلوک ہوگا کہنے لگا امی اگر اللہ میرا حساب آپ کو دے دے تو مجھے معاف کر دو گی کہا یقیناً تو کہنے لگا حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی والدہ اولاد پہ ہوا کرتی ہے یہ بات کسی نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے کہی تو فرمایا یہی بات اس کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے سو صبر کا مدار بھی اللہ پہ یقین پر ہے اور جملہ طاعات کا مدار صبر پر ہے سو جو ایسے ہیں اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات میں اُولٰئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا یہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا یہ کھرے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں یعنی انہیں کو ایک خاص نسبت اللہ سے حاصل ہے جسے تقویٰ کہا جاتا ہے اور اگر یہ بات نہیں تو پھر مشرق کو منہ کیا یا مغرب کو کیا حاصل!

۱۷۸ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِصَاصُ ...... تا ...... لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝ ۱۷۹

انسانی معاشرے میں عموماً جب کوئی شخص کسی بھی وجہ سے دوسرے شخص کو پسند نہ کرتا ہو تو چاہتا ہے کہ یہ آدمی دنیا میں سے ہی کیوں اور بس چلنے پر اسے قتل کر دیتا ہے عموماً اس کی وجہ حسد ہوتا ہے یا پھر لالچ وغیرہ

وجہ خواہ کوئی بھی ہو یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر دور میں انسان انسانوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور خصوصاً بعثت نبوی کے زمانے میں روئے زمین پر اور جزیرۃ العرب میں خصوصاً انسانی جان کی کوئی قیمت ہی نہ تھی۔ ہر زبردست کمزور کو قتل کرنا تو گویا اپنا حق سمجھتا تھا اور اگر کسی وجہ سے کسی کمزور قبیلے کے ہاتھوں کسی امیر قبیلے کا کوئی فرد مارا جاتا تو پھر عجیب مطالبے ہوتے کہ ہماری عورت کے بدلے ان کا مرد قتل کیا جائے یا ان کے آزاد آدمی کے بدلے ہم اپنا غلام قتل کیلئے پیش کرینگے وغیرہ حتیٰ کہ دو ایسے قبیلے جن میں قبل اسلام جنگ ہوئی اور طرفین کے مرد، عورتیں اور غلام قتل ہوئے جب ان کو اسلام نصیب ہوا اور صلح کی بات چلی تو ان میں سے ایک نے یہی مطالبہ کیا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد اور عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے تب صلح ہو گی گویا وہ اپنی ذوات کو ان کی نسبت برتر خیال کرتے تھے نیکی پر بحث کرتے ہوئے اللہ کریم نے سب سے پہلے اسی امر کی اصلاح فرمائی کہ یہ معاملہ براہ راست انسانی جانوں سے متعلق تھا سو فرمایا کہ اے ایمان والو پہلی بات تو یہ ہے کہ قصاص لینا تم پر فرض ہے" قصاص مماثلت کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرع میں قتل عمد کے بدلے قتل یا زخم لگانے کے بدلے برابر کی سزا کو کہا جاتا ہے اور یہ اختیار ہر ایک کو نہیں کہ جس کا قتل ہو جائے وہ دوسرے کے قتل کے درپے ہو بلکہ حاکم یا انتظامی سربراہ کا فرض ہے کہ قاتل کو یا زیادتی کرنے والے کو سزا دے اگر ایسا نہ کرے گا تو عنداللہ قاتل کے ساتھ وہ بھی ماخوذ ہو گا۔ اب جبکہ یہ مساوات ضروری ٹھہری تو مساوات تب ہی ہو گی جب مقتول کے بدلے قاتل کو سزا ملے نہ یہ کہ غلام کے بدلے بےگناہ آزاد یا عورت کے قاتل ہونے کے باوجود سزا اس کے مرد کو دی جائے سو فرمایا آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت قتل ہو گی جب کہ آزاد کا قاتل آزاد اور غلام کا غلام ہو یا عورت عورت کو قتل کرے اسی طرح بالعکس بھی یعنی قتل کرنے والا آزاد ہو یا غلام عورت ہو یا مرد قتل کی سزا میں قتل کیا جائے گا۔ یہاں تک تو ان کے جاہلانہ اور ظالمانہ طریق کار کی اصلاح کی بات ارشاد ہوئی اس کے ساتھ اصلاح کا ایک اور عمدہ پہلو ارشاد فرمایا کہ جب ایک جان تو ضائع ہو ہی چکی اب اگر اس کے ورثا اس بات پر راضی ہوں کہ اللہ کی راہ میں قاتل کو معاف کر دیں تو بے شک اس پر کوئی مطالبہ نہیں کہ ان کا یہ احسان دوسرے شخص کی اصلاح کر دے یا اگر وہ چاہیں تو قتل کے بدلے دیت اور خون بہا قاتل سے لے لیں جس سے اُسے تنبیہ بھی ہو گی اور مقتول کے ورثا کی مالی مدد بھی۔ دیت یا خون بہا شرعاً سو اونٹ یا ہزار دینار ہے جس کو صاحب معارف نے حل کر کے ۳۶ سیر ۳۶ تولے اور ۸ ماشے چاندی دور حاضرہ کے اعتبار سے قرار دیا ہے اب اس کی قیمت لگائی جا سکتی ہے یا باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہو جائے تو پھر

وہی مال دیت بن جائے گا۔ اس کی مفصل بحث اور شرائط کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں نیز مقتول کے ورثاء میں سے ایک وارث بھی اگر اپنا حق معاف کر دے تو قاتل پر قصاص واجب ہو جائیگا اور اُسے قتل نہ کیا جائے گا اس میں بات صرف قاتل اور ناحق مقتول کی ہے گورے کالے یا آزاد غلام یا مرد عورت کی قید نہیں کہ سب نوعِ انسانی کے افراد ہونے میں سب برابر ہیں اور یہ انصاف صرف اسلام کے پاس ہے ورنہ روئے زمین پر باطل مذاہب ہوں یا دورِ جدید کی نام نہاد تہذیب ہر طرف زبردست مارتا بھی ہے اور رونے بھی نہیں دیتا۔ ہندو مت میں اگر شودر برہمن پر تھوکے تو اس کی زبان کھینچ جاتی ہے اور اگر برہمن شودر کو قتل بھی کر دے تو کوئی جرم نہیں۔ اسی طرح مغربی دنیا کے بنائے ہوئے جمہوری قوانین تو خود ہم پر بھی مسلط ہیں اور ان کی لائی ہوئی مصیبتیں یہاں پیش نظر ہیں کہ مقتول کے ورثا کو اس کا دکھ بھول جاتا ہے اور مقدمے کی فکر، گواہوں کا اہتمام، وکیل کی فیس اور اس طرح کی دوسری مصیبتوں کی فکر لاحق ہوتی ہے سالوں مقدمہ چلتا ہے بیچارے کچہریوں میں ذلیل ہوتے ہیں اور پھر جج صاحب قاتل کو بری کر دیتے ہیں کہ اس طویل مدت میں گواہ ہی موجود نہ رہے کوئی مر گیا اور کوئی اندھا ہو گیا یا پھر رشوت لے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اب اس کا اثر مقتول کے ورثا پہ یہ ہے کہ وہ ایک کی بجائے متعدد بیگناہ افراد کو بھی ساتھ شامل کرتے چلے جاتے ہیں کہ اگر چھوٹ بھی جائیں تو کم از کم ذلیل تو ہوں ان قوانین کو بنانے اور رائج کرنے والے اسلام کے قانونِ قصاص پر طنز کرتے ہیں حالانکہ وہ سراسر امن اور ان کے قوانین سراسر فساد ہیں۔ آج بھی اس کی زندہ مثال مغربی معاشرے اور سعودی عرب میں موازنہ کر کے دیکھی جا سکتی ہے کہ امریکہ میں انسانی جان کی کیا قیمت ہے؟ اور لندن اور انگلینڈ میں کیا ہو رہا ہے اور وہ ظالم انگریز جو یہاں تو معمولی بات پر گولی چلوا دیتا اور کشتوں کے پشتے لگا دیتا تھا اپنے ملک میں ہزاروں بیگناہ ایشیائی باشندوں کے قتل پر سوچ رہا ہے کہ کیا قاتلوں پر ربڑ کی گولی بھی چلائے یا نہ اور دنیا بھر کی خبریں دینے والا ادارہ B.B.C اپنے بات پہ منتظر زیرِ بحث ہے اس کے مقابل سعودی عرب کو دیکھیں جہاں صرف حدود اسلامی کا نفاذ ہے اور قصاص لیا جاتا ہے کوئی غریب ترین آدمی بھی کسی بڑے سے بڑے آدمی سے نہیں دبتا بلکہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کا اپنا اور دنیا میں اگر کسی ملک کا امن مثالی ہے تو وہ ملک یہی ہے اگرچہ ان میں وہ دینداری نہیں مگر اسلامی قانون کی برکات عیاں ہیں۔ فرمایا صاحب عقل اس بات کو جان سکتے ہیں کہ قصاص ہی میں زندگی ہے اور جس معاشرے میں ظالم کا ہاتھ نہ روکا جائے وہ معاشرہ تباہی کا منظر پیش کرتا ہے جس پر تاریخ عالم گواہ ہے نیز یہی بات تمہیں قربِ الٰہی بخشنے کا سبب اور تمہارے وصفِ تقویٰ سے متصف ہونے کا ذریعہ بھی ہے یعنی

قصاص میں ہر دو عالم کی بھلائی ہے، اصلاح معاشرہ بھی ہے اور آخرت کی سرخروئی بھی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ......تا...... إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲

یہ بات تو قتل کی تھی جو لوگ طبعی موت مرتے اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جاتے ہیں وہ بھی کھینچا تانی کا سبب بن جاتا ہے سو اے ایمان والو تم پر فرض ہے کہ اگر مال چھوڑو تو اس کے بارے وصیت بھی کرو۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں اور انصاف سے کرو جس قدر کسی کا حق بنتا ہو نہ اس سے زیادہ دو نہ کم کرو یہ حکم اللہ کے نیک بندوں پر لازم ہے۔ اس آیت میں مال کو خیر سے تعبیر فرمایا ہے کہ مومن جائز ذرائع سے کماتا اور شرعی طور پر خرچ کرتا ہے پھر اس کے پاس کچھ مال بچ رہے تو وہ بھی خیر ہی کہلاتا ہے۔ اسلام میں مال جمع کرنا منع نہیں ہے ناجائز طور پر کمانا بھی منع ہے اور خرچ بھی۔ ایسے ہی ناجائز ذرائع سے جمع کرنا بھی ناروا ہے ورنہ حلال رزق کیلئے محنت کرنا بجائے خود عبادت ہے اسے جائز امور میں خرچ کرنا نیکی اور پس ماندگان کو دے کر جانا خیر ہے۔ سو جب تک آیۂ میراث نازل نہ ہوئی تھی مرنے والوں پر فرض تھا کہ مال میں وصیت کرتا پھر جب اللہ نے خود ورثا کے حقوق مقرر فرما دیئے تو یہ حکم منسوخ ہوا کہ یہ اللہ کی مرضی کس وقت کون سا حکم باقی رکھتا ہے ہاں ورثا کی اجازت سے اب بھی وصیت کر سکتا ہے یا پھر باجماع اُمت مال کے ایک تہائی میں وصیت کا حق رکھتا ہے یہ حکم اس شخص کا ہے جس کے ذمے کسی کا حق یا امانت نہ ہو اگر دوسروں کے حقوق واجب ہوں تو پھر وصیت واجب ہوگی۔ نیز ایک تہائی میں جو وصیت کا حق دیا گیا ہے انسان اپنی زندگی میں اس تبدیلی کرنے کا حق بھی رکھتا ہے کس قدر ناپائیدار گر عالم یہاں ہے کہ صاحبِ مال ورثا سے اجازت لے کر وصیت کر سکتا ہے گویا مال اس کا نہیں وارثوں کا ہے اور پھر جب اُن کے پاس پہنچے گا تو یہی حال ان کا ہوگا اس مال کیلئے جو کسی کا ہے۔ انسان اگر اللہ کی نافرمانی اختیار کرے تو کس قدر نادانی ہے واقعی دنیا کا مال چند روزہ امانت ہے جو دوسروں کو سونپ کر چلے جانا ہے پھر وصیت سننے والوں کا حق ہے کہ اسے تبدیل نہ کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ کریم بھی سُن رہا ہے اور جانتا ہے جس کی بارگاہ میں کل انہیں جواب دینا ہے ہاں وصیت کرنے والا اگر غلط کر جائے اور طرفداری یا ناجائز تقسیم کا خطرہ ہو تو ورثا میں باہم صلح کرانا اور اس کے لئے اگر وصیت میں تبدیلی بھی آجائے تو کوئی گناہ نہیں کہ اللہ کریم بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے دراصل اصلاح احوال کی بنیاد ہی ایمان بالآخرت ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی پر یقین ہو اور ہر کام کو اس نگاہ سے کرے کہ اس کا اثر وہاں کیا ہوگا۔

رکوع ۷ ۚ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ
مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ
الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ
بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ
اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى
نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ
فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ
اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ :

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ - تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو - پھر (اس میں بھی اتنی آسانی کہ) جو شخص تم میں ایسا بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (کرکے ان میں روزہ رکھنا) اس پر واجب ہے اور (دوسری) آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ) جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا یا دیدینا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ خیر) کرے (زیادہ فدیہ دے) تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور (تمہارا) روزہ رکھنا (اس حال میں) زیادہ بہتر ہے اگر تم روزے کی فضیلت سے خبر رکھتے ہو (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے منجملہ ان کتب کے جو (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیئے - اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کرکے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب ہے) - اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام و قوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تاکہ تم لوگ ایام ادا یا قضا کے شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (و ثنا) بیان کیا کرو کہ اس پر تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلا دیا (جس سے تم برکات و ثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی) تاکہ تم لوگ (اس نعمت

آسمانی پر اللہ) کا) شکر ادا کیا کرو۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے۔ سو ان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں۔ امید ہے کہ وہ لوگ رشد (و فلاح) حاصل کر سکیں گے۔ تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہونا۔ خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت (کر کے گناہ) میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر خیر) اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ دھو دیا۔ سو اب ان سے ملو۔ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو اور کھاؤ اور پیو (بھی) اس وقت تک کہ تم کو سفید خط (کہ عبارت ہے نور) صبح (صادق) کا متمیز ہو جائے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو۔ اور ان بیبیوں (کے بدن) سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں یہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ احکام پر مطلع ہو کر خلاف کرنے سے پرہیز رکھیں اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان کے جھوٹے مقدمہ کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم (بھی) ہو۔

اسرار و معارف: (رکوع ۷)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ..... تا ..... اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲: ۱۸۳-۱۸۴)

تیسرا حکم نیکی اور بر کے باب میں صوم کا ہے اور اسے ارشاد فرمانے کا ایک خاص انداز ہے کہ قبل ازیں نوع انسانی کو دعوت عبادت دی مگر اس میں یہ انداز نہیں بلکہ ایک عمومی رنگ ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو مگر یہاں ارشاد ہے کہ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے گزرنے والوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے مخاطب نوعِ انسانی ہے اور دوسرا خطاب خاص مومنین کو ہے اور ان کی روحانی تربیت اور حصول رحمت کے لئے ایک خاص اہتمام ہے دراصل انسان روح اور جسم سے مرکب ہے جس طرح جسم مادہ کی ایک ٹھوس اور کثیف شکل ہے اسی طرح روح انتہائی لطیف شئے ہے اور یہ قدرت باری ہے کہ فرشتے اور حاملین عرش سے بھی لطیف تر روح

کو ایک کثیف جسم سے پیوست کر دیا گیا ہے اور یہ جسم روح کو بخشا ہی اس لئے ہے کہ عبادت الٰہی کر سکے جسم ہو اس کی ضروریات ہوں پھر ان کی تکمیل کے سامان موجود ہوں لیکن یہ اس میں اپنی پسند پر احکام الٰہی کو ترجیح دے اور اطاعت باری کو اختیار کرے اس کی یہ ادنیٰ قربانی اس کے لئے حصولِ قرب کا سبب بنے ویسے تو مجرد روح اللہ کی عبادت میں مصروف رہ سکتی تھی مگر اس کی عبادت فرشتے کی عبادت کے مثل ہوتی جو ہمیشہ اطاعت تو کرتا ہے مگر چونکہ کوئی عارضہ اپنے ساتھ ایسا نہیں رکھتا جو اسے اطاعت سے روک سکے اس لئے وہ اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ جس مقام پر رکھا گیا ہے ہمیشہ اسی پر رہتا ہے مگر انسان جب عملی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو ایک خاص حیثیت علمی اور عملی رکھتا ہے۔ اشیائے عالم اور ان کے اوصاف سے واقف ہوتا ہے پھر اس کے وجود کو ان کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے آرام اور لذت حاصل کرتا ہے اب اگر وہ ان سے استفادہ کرنے کا وہ طریقہ اپناتا ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے تو اسے حقیقی انسانیت اور اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے لیکن اگر صرف لذت طلبی اور تکمیل خواہشات میں کھو جاتا ہے تو پھر انسانیت کے مقام رفیع سے گر جاتا ہے اور جانوروں سے بدتر شمار ہوتا ہے اور یہ بات کہ انسان محض خواہشات کی تکمیل ہی نہ کرے بلکہ اپنے ہر کام میں اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھے تب نصیب ہوتی ہے جب روح قوی ہو اور بدن اور بدن کے قویٰ پہ روحانیت غالب ہو یہ تب ہو سکتا ہے کہ روح کا تعلق اللہ سے قائم ہو جو سب سے مضبوط انبیاء کا ہوتا ہے اتنا مضبوط کہ وہ کبھی اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر پاتے اور معصوم ہوتے ہیں۔ باقی مخلوق ان کی وساطت سے اللہ سے رابطہ قائم کرتی ہے اب جس نے حکم پڑھ لیا گویا اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوا اور وہ اٰمنوا کی فہرست میں داخل ہو کر خصوصی خطاب اور عنایات کا سزاوار ہوا اب جہاں بدن کی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک طریقہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تکمیلِ ضرورت بھی ہوتی ہے اور اللہ کی اطاعت بھی وہاں کچھ عبادات بھی مقرر فرمائیں جو مالی بھی ہیں بدنی بھی ہیں اور جانی بھی یہ عبادات ہی روح کی اصل غذا اور اس کی زندگی کا سامان ہیں تو جن لوگوں کا تعلق اللہ سے قائم ہوا ان کیلئے مزید روحانی قوت اور قرب الٰہی کے حصول کے اسباب مہیا فرمائے جن میں سے ایک بہت بڑا ذریعہ صوم ہے اسی لئے ارشاد ہے کہ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے یعنی ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ تم سے پہلے بھی ہر امت مسلمہ پر فرض رہی خواہ کیفیت میں یا دنوں میں فرق بھی ہو مگر روزہ ان پر بھی فرض رہا اور اس لئے ان پر بھی اور تم پر بھی فرض ہوا کہ تم اللہ سے ایک مضبوط تعلق قائم کر سکو جسے تقویٰ کہا گیا ہے یعنی اس کی غرض اصلی لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ہے صوم کے لفظی معنیٰ رُکنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع

سے رُکنے کا نام ہے جب وہ روزہ کی نیت سے ہو اگر طلوعِ فجر کے بعد یا غروبِ آفتاب سے پہلے کچھ کھا پی لیا خواہ کتنی ہی تھوڑی دیر باقی تھی تو روزہ نہ رہے گا۔ جہاں تک اس کے فضائل کا تعلق ہے تو وہ بے شمار ہیں بلکہ یہ دین کے عمود اور شعائر میں سے ہے اور باقی سارا سال تو انسان حرام اور ناجائز سے پرہیز رکھتا ہے مگر اس مبارک ماہ میں اللہ کے حکم سے تمام حلال غذا بھی وقت معین تک چھوڑ کر کمالِ اطاعت کا اظہار کرتا ہے اور زمین پر بستے ہوئے مادی وجود رکھتے ہوئے فرشتوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے اور ایک کیفیت حاصل کرتا ہے جس کو وصولِ رحمت میں ایک خاص دخل ہے سو نتیجۃً اسے وصفِ تقویٰ نصیب ہوتا ہے یعنی ایک ایسا تعلق اللہ اور رسول سے کہ جو ہاتھ کو اُٹھنے اور قدم کو چلنے سے تھام لے اسے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے دے۔

اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ یعنی گنتی کے چند روز ہیں کچھ بہت زیادہ نہیں بلکہ کھانے پینے کے لئے گیارہ ماہ اور روزے کیلئے صرف ایک ماہ ہے پھر اس میں بھی بیمار کو اور مسافر کو اجازت ہے دورانِ مرض یا سفر روزہ نہ رکھیں مگر ایسا نہ ہو کہ سعادت سے محروم ہی ہو جائیں جب مریض تندرست ہو یا مسافر مقیم ہو تو جس قدر روزے نہ رکھا تھا ان کی گنتی پوری کرے یہاں بیمار سے مراد وہ بیمار ہے جسے روزہ رکھنے سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو اور مسافر سے مراد بھی شخص ہے جو کم از کم گھر سے ایسے سفر پہ نکلے جو تین منزل ہو یعنی پیدل چلنے والا تین روز میں طے کرے جسے فقہانے میلوں میں حساب کر کے اڑتالیس میل قرار دیا ہے کہ ارشاداتِ نبوی اور تعاملِ صحابہ سے فقہانے یہی اخذ فرمایا ہے اسی طرح مسافر اگر کسی جگہ رُکے تو وہ مقیم قرار نہ دیا جائیگا جب تک کہ ایک جگہ کا قیام پندرہ روز کا نہ ہو۔ اگر پندرہ روز ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم ہو جائیگا لیکن اگر ایک دو روز کیلئے رُکا اور کسی مجبوری کی وجہ سے وقت بڑھتا رہا حالانکہ وہ چلنے کو تیار ہی رہا تو خواہ اس سے زیادہ روز بھی گزر جائیں مسافر ہی رہے گا یا پندرہ روز متفرق شہروں میں ٹھہرا تو بھی مسافر ہی ہوگا اور اگر مریض صحتمند ہونے کے بعد یا مسافر مقیم ہونے کے اتنے دنوں کی مہلت پائے تو روزوں کی قضا اس پر واجب لیکن اگر اس سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو اس پر نہ قضا ہوگی نہ فدیہ نیز عِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ میں ترتیب کی قید نہیں بلکہ گنتی پوری کرنے کا حکم ہے سو اگر متفرق بھی رکھے تو جائز ہے واللہ اعلم۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَۃٌ یعنی ایسے لوگ جو مریض یا مسافر نہیں مگر روزہ رکھنا نہیں چاہتے اور اس کے بدلے صدقہ وغیرہ دینے کو تیار ہیں تو فرمایا ان کے لئے فدیہ ہے ایک فقیر کا کھانا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر دوسری آیت نے اسے منسوخ قرار دیا اور بغیر مریض اور مسافر کے سب کو روزہ رکھنا ضروری قرار دیا کہ

مَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ کہ جو بھی رمضان المبارک کو پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔ ہاں مریض، مسافر یا ایسے بوڑھے جو روزہ رکھنے کی ہمت نہ رکھتے ہوں وہ معذور ہیں۔ ایسے بوڑھے یا ایسے مریض جن کے صحتمند ہونے کی اُمید نہ ہو فدیہ دیں جس کی مقدار نصف صاع گندم یعنی تقریباً پونے دو سیر ہے جس کی قیمت بازار کے مطابق ایک فقیر کو دے نہ ایک روزہ کا فدیہ دو تقسیم کرے اور نہ کئی روزوں کا فدیہ ایک ہی تاریخ میں ایک ہی آدمی کو دے ہاں اگر کسی کو اسکی طاقت بھی نہ ہو تو استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب بھی فراخی نصیب ہوگی ضرور ادا کرونگا۔ ان سب مراعات کے ساتھ فرمایا کہ نیکی بہر حال نیکی ہے اگرچہ فدیہ دینا بھی نیکی ہے مگر وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ تمہارے لئے بہت بہتر یہ ہے کہ تم روزہ رکھو اگر تمہیں علم ہے اگر تم جانتے ہو تو جو کیفیت روزہ رکھ کر حاصل ہوتی ہے وہ فدیہ دے کر کہاں نصیب اس لئے بہتر یہ ہے کہ روزہ رکھو اور اسے معمولی نہ جانو بلکہ مہینوں میں یہ مہینہ ہی ایک خاص فضیلت رکھتا ہے۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ ...... تا ...... لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۱۸۵ یعنی یہی مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو اللہ کا ذاتی کلام ہے اور اتنی عظمت کا حامل کہ ساری نوعِ انسانی کیلئے ہدایت ہے واضح اور روشن دلیلوں سے مزین حق اور باطل میں فرق بتانے والا ہے تمام انعامات میں خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی اور جن کا شمار انسان سے ممکن نہیں اعلیٰ انعام یہ ہے کہ انسان کو، مخلوق کو، بے بس و بے کس کو، خالقِ بے نیاز اور قادر رحمت سے پکارے اور اسے اپنے کلام کا شرف بخشے۔ سبحان اللہ۔ اور یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں نزولِ کلام ہوا حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس قدر کتابیں یا صحائف اللہ کی طرف سے انبیاءِ کرام پر نازل ہوئے سب اسی ماہِ مبارک میں نازل ہوئے اور خود قرآن حکیم اس ماہ کی مبارک رات کو لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر نازل ہوا اور پھر مسلسل ۲۳ برس میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل ہوتا رہا۔ سو یہ مہینہ ہی بہت برکات کا حامل ہے سو تم میں سے جو اس کو پالے وہ روزے رکھے یہاں پالینے سے مراد بحالت صلاحیت ہے یعنی مومن ہو بالغ ہو عاقل ہو اگر کافر نصف رمضان میں مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا تو اس کے بعد کے روزے فرض ہونگے گزشتہ کی قضا نہ ہوگی ہاں مجنون اگر مسلمان تھا تو صلاحیت رمضان کی رکھتا تھا جب ہوش آیا تو سارے قضا کرے گا۔ اسی طرح مریض، مسافر یا حیض و نفاس والی عورت کہ جب روزہ کی صلاحیت پائینگے تو سب روزے قضا کریں گے جس قدر بھی پہلے چھوڑ چکے ہوں نیز پالینا سے مراد خود رمضان کا چاند دیکھ لینا یا معتبر شہادت سے پتہ چل جانا اور یا پھر شعبان کے ۳۰ دن پورے

ہو جاتا ہے اس کے بعد رمضان شروع ہو جائیگا اگر ۲۹ شعبان کو ابر وغیرہ ہو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت بھی میسر نہ ہو تو روزہ نہ رکھا جائیگا حدیث شریف میں اسکی ممانعت ہے کہ یوم الشک کا روزہ نہ رکھے۔

یہاں عجیب بات تو ان ممالک کی ہے جہاں رات دن مہینوں پہ محیط ہوتے ہیں یعنی چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات تو وہاں عادتاً رمضان المبارک کا پالینا صادق ہی نہیں آتا نیز چونکہ فقہائے حنفیہ نے ان ہی کے دن رات سے نماز کا حکم دیا ہے کہ چھ ماہ کے دن میں پانچ نمازیں اپنے دن کے اوقات کے اعتبار سے ادا کریگا یا مثلاً مغرب کے فوراً بعد صبح صادق طلوع ہوگئی تو عشاء فرض ہی نہ ہوگی۔ حضرت تھانویؒ نے اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے اور بعض محققین نے اس کو اس بات پر قیاس کیا ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا تو دن سال کے برابر ہو جائیگا پھر دو سال اس سے کم تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نمازوں کا کیا ہوگا فرمایا اندازہ کر کے رات دن کی پانچ نمازیں پڑھی جائینگی یعنی سال بھر کے دن میں نمازیں سال کی ہی پڑھی جائینگی سو ان لوگوں کو بھی اندازہ کر کے نماز ادا کرنی چاہئیے مگر یہاں ایک بات ہے کہ ظہور دجال کے وقت عادتاً دن سال کا نہ ہوگا بلکہ اسکی نظر بندی وغیرہ کی وجہ سے محسوس ایسا ہوگا تو اس میں تو سال کی نمازیں فرض ہوئیں یہاں ان ممالک میں عادتاً دن چھ ماہ کا ہوتا ہے یعنی دوسری دنیا میں چھ مہینے گزرے ہیں اور وہاں ایک دن اور دوسرے چھ ماہ میں ایک رات۔ سو اس بات کا مقتضیٰ تو یہی ہے کہ دن رات میں ان پر پانچ نمازیں ہوں اور روزے وہاں فرض ہی نہیں ہوتے کہ رمضان ہی کو نہیں پا سکتے۔ بہرحال احتیاط اس میں ہے جس طرح دنیا کے ساتھ تعلقات کیلئے وہ گھڑیوں وغیرہ سے اوقات کی تعین کرتے ہیں عبادات کیلئے بھی کر لیں کہ عبادات روح کیلئے بمنزلہ غذا کے ہیں اگر مادی غذا بقائے جسم کیلئے ضروری ہے تو عبادات روح کی زندگی کیلئے لازمی سو جب مادی ضروریات کیلئے اوقات مقرر کرتے ہیں تو روحانی کیلئے کیوں نہ کریں واللہ اعلم وعلمہ اعظم واتم۔ سو جو بھی اس ماہ مبارک کو پائے ضرور روزے رکھے ہاں مریض اور مسافر کی سہولت بحال رکھی گئی کہ وہ قضا کر سکتے ہیں کہ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں گرفتار بلا کرنا نہیں چاہتا اور یہ تو اس لئے ہے کہ تم یہ گنتی پوری کرو تو اللہ کی عظمت بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی وجود بخشا قوتیں دیں، عقل و شعور عطا فرمایا، نعمتیں دیں اور اگر چاہے تو سب سلب کرنے پہ بھی قادر ہے مگر حکم دیا کہ چند روز ان چیزوں سے باختیار خود رک جاؤ کہ تمہارے اس فعل کو تم پہ انعام خاص کا ذریعہ بنا دوں سبحان اللہ یہ اسی کو سزاوار ہے کہ اسکی ذات عظیم ہے سو اسکی عظمت بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو اس کا احسان مانو کہ تم پر کس قدر رحمت اور برکات نازل فرما رہا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ ...... تا لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۱۸۶

روزہ ایک طرف اگر کمالِ اطاعت ہے تو اسکا دوسرا رُخ اجابتِ دعا بھی ہے کہ صائم اپنے تمام ایسے امور جن کو توجہ ہٹانے میں ایک حد تک دخل ہے چھوڑ دیتا ہے مثلاً کھانا پینا، جماع وغیرہ تو اسکی توجہ کلی طور پر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور اسی حالت کو قربِ الٰہی اور اجابتِ دعا کیلئے موزوں قرار دیا ہے کہ اللہ تو ہر حال میں قریب ہے انسان اپنی ضروریات میں اُلجھ کر اپنی توجہ انکی طرف کر لیتا ہے اب جب ان کو اللہ کے حکم سے چھوڑا تو اسے ایک خاص طرح کا قربِ الٰہی نصیب ہوا۔ سو ارشاد ہے کہ جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو فرما دیں کہ میں بہت قریب ہوں۔ اس عبادی یعنی میرے بندے فرمانے میں یہی حکمت ہے کہ جب وہ میری اطاعت میں مصروف ہوں اور میری طرف متوجہ ہوں تو انہیں میرا قرب حاصل ہوتا ہے اور میں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ تب ہی ہوتا ہے کہ وہ بھی میری اطاعت پر کمربستہ ہوں جس کیلئے اولاً میری عظمت کا اقرار ضروری ہے میری ذات وصفات پہ ایمان لائیں اور اپنی پوری کوشش میرے حکم کی بجا آوری پہ صرف کریں تاکہ انہیں میرا قرب حاصل ہو اور میں انکی دعائیں قبول کروں اور یہی وہ راہ ہے جو مقصدِ حیات ہے اور جو حقیقتاً صحیح راستہ ہے اور یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ صائم کی دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهٖ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ اَوْ کَمَا قَالَ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ سے اخذ ہوتا ہے کہ دعا آہستہ اور خفیہ کرنا چاہیے

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ... ..الیٰ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ۱۸۷

رمضان المبارک کے احکام ارشاد فرماتے ہوئے درمیان میں اپنے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا جسے روزہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے یعنی اجابتِ دعا اور پھر احکام رمضان ارشاد ہوتے ہیں یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ کو اللہ کریم نے معیاری انسان قرار دیکر احکام شرعی کو نافذ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کثرتِ کرامات دیکھ کر لوگ سوچتے ہیں کہ یہ چیزیں اس کثرت سے صحابہ سے کیوں منقول نہیں حالانکہ انہیں وہ درجہ حاصل تھا جو صرف انہی کا حصہ ہے۔

تو اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انکی زندگی عمومی معیار قرار پائی اور جو حکم انہیں مشکل نظر آیا اللہ نے سہل فرما دیا اس طرح انہوں نے پوری اُمت پہ احسان فرمایا اب یہی حکم لے لیجئے کہ شروع میں رمضان المبارک کا حکم یہ

کہ افطار کے بعد جب تک بیدار رہے درست جب سو گئے روزہ شروع ہوگیا اور کھانے پینے جماع وغیرہ سے روک دیا گیا بعض صحابہ اپنی بیبیوں سے شب باشی کے مرتکب ہوئے مگر انہوں نے ہماری طرح بات کو چھپایا نہیں بلکہ علی الصباح بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی اسی طرح بعض کو یہ مشکل پیش آئی کہ جیسے حضرت قیس بن صرمہؓ انصاری دن بھر مزدوری کر کے شام کو گھر آئے تو کھانے کو کچھ نہ تھا بیوی نے عرض کیا کہ کہیں سے کوئی انتظام کر کے لاتی ہوں مگر اس کے آنے سے پہلے انکی آنکھ لگ گئی اور روزہ بند اب بیدار ہوئے کچھ کھانے کی اجازت نہیں سو دوسرے روز دوپہر کو نقاہت کی وجہ سے بیہوش ہو گئے سو اللہ نے رات بھر کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دیدی اور روزہ بند کرنے کا وقت مقرر فرما دیا۔ اب خواہ کوئی سو کر اٹھے یا جس طرح بھی بلکہ سو کر اٹھے تو سحری کھانا سنت قرار پایا۔ یہاں یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب رمضان المبارک کی شب بیبیوں سے مباشرت تمہارے لئے حلال کر دی گئی کہ یہ تمہارے لئے مشکل تھا اور بعض حضرات سے اسکی خلاف ورزی ہوئی مگر ایک بات سُن لو کہ یہ محض شہوت رانی نہ ہو بلکہ اس میں اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مقرر فرما دیا ہے مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ یعنی یہ معاہدہ نکاح ایک مقدس عہد جس کے ذریعے مرد اور عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں۔ نسلِ انسانی کی بقا کا مقدس کام کرتے ہیں اب اس لئے انکی آپس میں محبت تعاون ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ایک دوسرے پہ ضروری ہے تاکہ وہ دنیا کو اچھے انسان دیں معاشرے کو صالح افراد دیں ایک ایسی نسل پیدا کریں اور اسکی اس طرح پرورش کریں کہ وہ اللہ کے پسندیدہ بندے ثابت ہوں سو عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس۔ یہ لباس ہی زینت کا سبب بھی ہے اور گرمی سردی سے بچانے کا بھی یہ جسمانی عیوب بھی چھپاتا ہے اور انسان کا پردہ بھی رکھتا ہے اسی طرح تم باہم دگر ایک دوسرے کا لباس ہو ایک دوسرے کا بھرم رکھو عزت مال اور جان کی حفاظت کرو ایک دوسرے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرو اللہ نے تمہاری مشکل آسان فرما دی نیز جو اب تک تم خطا کر چکے معاف فرما دیا ہے اب تم کھاؤ پیو بھی اس وقت کہ صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے علیحدہ نظر آنے اور روزے کو رات تک پورا کرو۔ یہاں جو حکم منسوخ ہوا وہ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اس پر عمل ہوتا تھا لیکن یہاں اسے حکمِ الٰہی قرار دیا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سُنت سے ثابت حکمِ الٰہی میں سے ہے سو اب سحری و افطار کا واضح وقت مقرر فرما دیا کہ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ یعنی جب تک تم پہ صبح صادق کی سفید دھاری اُفق پر سیاہ دھاری سے یقینی طور پر واضح نہ ہو جائے کھانے

پینے کی اجازت ہے محض وہم کی بنا پر بہت پہلے روزہ بند کرلیا درست نہیں جیسا کہ ارشاد ہے کہ بلال رضؓ کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے کہ وہ رات سے اذان کہہ دیتے ہیں ابن ام مکتوم رضؓ کی اذان پر روزہ رکھو کہ وہ صبح صادق پہ اذان دیتے ہیں او کما قال۔ مگر یہ سب ان لوگوں کیلئے ہے جن کو افق سامنے ہو اور سمجھ سکتے ورنہ احتیاط کریں اور کسی سے پوچھ لیں یا اذان سُن لیں اگر کسی نے شبہ کی حالت میں یہ جان کر کھایا ابھی وقت ہے مگر بعد میں ثابت ہوا کہ وقت گزر چکا تھا تو گناہ اگرچہ نہ ہوگا مگر قضا لازم اور دوسری طرف رات تک روزہ پورا کرو یعنی غروب آفتاب پر روزہ افطار ہو جائیگا پیشتر اس کے کہ رات چھا جائے الی اللیل یعنی رات تک اسے رات میں داخل نہ کرو شیعہ حضرات جنہوں نے ایک متوازی اسلام بنانے کی کوشش کی ہے یہاں بھی تاخیر سے افطار کیا ہے کہ خوب رات چھا جائے تو افطار کرتے ہیں حالانکہ جب مشرق سے تاریکی اُٹھے اور سورج غروب ہو تو پیشتر اس کے کہ تاریکی پھیل جائے افطار کرنا چاہیئے اگر کسی نے غلطی سے بادل وغیرہ کی وجہ سے ایک آدھ منٹ پہلے افطار کرلیا اور بعد میں ثابت ہوا کہ درست نہ تھا تو قضا لازم لیکن عمداً افطار میں پہل یا سحری میں تاخیر ہوئی تو کفارہ لازم ہوگا اس لئے مؤذن حضرات کو خاص احتیاط لازمی ہے۔

اب اسکے ساتھ اعتکاف کا حکم بھی واضح ہوا کہ یہ حلت مباشرت اعتکاف پر لاگو نہ ہوگی۔ اعتکاف خاص شرائط کے ساتھ مساجد میں ٹھہرنے کا نام ہے اور آخری عشرۂ رمضان میں مسنون۔ مرد حضرات صرف مسجد میں اعتکاف کیلئے ٹھہر سکتے ہیں نیز ایسی مسجد کہ جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو کہ جو مسجد کی تعمیر کا مقصد ہے اور کھانے پینے کے بارے تو حکم وہی ہے مگر مباشرت منع، فضول بات کرنا یا بغیر عذر مسجد سے باہر جانا درست نہیں نیز اسکے دوسرے احکام اعتکاف کیلئے مفصل مذکور ہیں دیکھ لئے جائیں۔ تلک حدود اللہ فلا تقربوھا۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں انکے قریب بھی مت پھٹکو اسی لئے روزہ میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے یا بیوی سے بوس وکنار درست نہیں مکروہ ہے اور اوقات سحر و افطار میں ایک آدھ منٹ کی احتیاط بہتر ہے نیز آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں تک ایسی بات لے جاؤ کہ اس کے نتیجہ میں تم دوسروں کا مال کھا سکو یہ اگلا حکم ہے جو ایک طرح سے روزے کا ماحصل بھی ہے کہ جب تم نے اللہ کے حکم سے جائز اور پاک مال جو تمہارے پاس موجود تھا نہ کھایا اور صبح سے شام تک روزہ رکھا جب افطار کیا تو وہی کھانا تمہارے لئے ثواب ہوا تو پھر تمہیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرکے کھاؤ کہ یہ فعل تو عنداللہ بہت برا ہے دراصل مال کی اچھائی یا برائی کا معیار کسب مال کے ذرائع یا طریقوں پر

ہے جن میں سے تو کچھ ایسے ہیں جن پر ساری دنیا کی قوموں کا اتفاق ہے کہ یہ درست نہیں جیسے چوری، ڈاکہ یا فریب دہی وغیرہ اور کچھ ایسے کہ بعض کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کے لوگ جو کچھ سوچتے ہیں اس میں ان کے قومی مزاج اور قومی مفاد کو دخل ہوتا ہے اسی لئے تو باوجود بین الاقوامی کانفرنسوں کے کوئی ایسا ضابطہ نہیں اپنایا جا سکا جو ساری دنیا کیلئے قابل قبول ہو نتیجۃً جنگ و جدل اور قتل و غارت ہوتی ہے اور ہو رہی ہے مگر اسلام جو اللہ کا قانون ہے ساری انسانیت کیلئے ہے اور خالق کائنات کی طرف سے ہے جس نے نہ صرف مخلوق پیدا ہی کی ہے بلکہ خود ان کو ضروریات بھی تقسیم کی ہیں انکی تکمیل کے اسباب مہیا فرمائے ہیں اور ان اسباب سے استفادہ کا بھی طریقہ ارشاد فرمایا ہے اور یہی طریقہ امن عامہ اور سب کے حقوق کا محافظ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایک معقول اور فطری ضرورتوں کے مطابق جامع ضابطہ ہے مثلاً اشتراک کی اشیاء کو وقف عام رکھا ہے جس میں تمام انسان مساوی حقوق رکھتے ہیں جیسے ہوا، پانی، خود رو گھاس، غیر مملوک جنگلات وغیرہ اور جن چیزوں کے اشتراک سے انسانی معاشرت میں خلل کا اندیشہ ہے ان میں انفرادی ملکیت کا قانون جاری فرمایا ہے پھر انتقال ملکیت کا ضابطہ علیحدہ اور پوری طرح یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو شخص بھی اپنی محنت ان چیزوں کے حصول پہ خرچ کرے وہ ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور نہ ہی دوسروں کے حقوق غصب کر کے انہیں نقصان پہنچا سکے۔ اسی لئے ان جملہ امور میں فریقین کی رضامندی ضروری قرار دی گئی ہے خواہ انتقال ملکیت ہو یا بعد الموت انتقال وراثت مزدوری ہو۔ ملازمت ہو یا بیع و شرا اور جن چیزوں کو منع فرمایا یا جو طریقے باطل ٹھہرے ان میں کہیں دھوکہ و فریب ہے تو کہیں کسی کا حق غصب ہوتا ہے جیسے کسی نامعلوم چیز یا نامعلوم عمل کا معاوضہ اور کہیں حقوق عامہ پہ زد ہے جیسے جوا، سود وغیرہ کہ ایسے امور باہمی رضامندی سے بھی جائز نہیں ہو سکتے پھر لا تاکلوا اموالکم فرمایا کہ کسی کے مال میں ناجائز تصرف دراصل اپنے ہی مال کو ضائع کرنا ہے کہ جب یہ طریقہ چل نکلے گا تو اس کے اپنے مال کا انجام بھی ایسا ہی ہو گا مثلاً کسی نے دودھ میں پانی ملا کر زائد پیسے حاصل کر لئے تو جب وہ گھی آٹا لینے جائے گا وہ ملاوٹ کر کے دگنے پیسے اس سے زائد نکال لیں گے اب وہ مصالحہ لینے گئے اس نے اس سے یہی سلوک کیا تو گویا سب لوگ ایک دوسرے سے زیادتی کے مرتکب ہو کر زمین پر فساد برپا کرنے کا سبب بن جائیں گے سو کوئی بھی کسی مال پہ ناجائز طریقے سے نگاہ نہ رکھے اور نہ ہی جان بوجھ کر جھوٹے مقدمے بنائے کہ اس طرح دوسروں کا حق غصب کرے نیز اسلام نے جہاں کسب مال کا طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ مال خرچ کرنے کا سلیقہ بھی سکھا دیا ہے کہ اس کے ضائع کرنے سے بھی دوسروں کی اولاد اور ورثا

کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور مومن کی نگاہ صرف مال کے حصول پر نہ ہو بلکہ بنیادی بات اطاعت الٰہی ہے جو تعمیر آخرت اور ابدی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ سو دنیا میں مال کا لینا یا خرچ کرنا نہ صرف دنیا میں مفید ہو بلکہ دونوں عالم کی تعمیر کرنے والا ہو نیز غذا کو مزاج انسانی میں بڑا دخل ہے اگر حلال غذا ہوگی تو مزاج صالح ہوگا اور اعمال اچھے صادر ہوں گے اگر حرام کھائے گا تو کبھی اچھائی نہ کر سکے گا اور نہ درست سوچ سکے گا، حتیٰ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حرام کھانے والے کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور اس کی عبادات رائیگاں جاتی ہیں اللہ تمام مسلمانوں کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ — رکوع ۸

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا
الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ
مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ
اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ
اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ
فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ
سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ
أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ع

ترجمہ:

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدة ومطالبہ حقوق کے) لئے اور (غیر اختیاری عبادات مثل) حج (روزہ وزکوٰۃ وغیرہ) کے لئے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں میں سے آؤ۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو اور (بے تکلف) تم لڑو۔ اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو (نقضِ عہد کر کے) تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور (از خود) حد (معاہدہ) سے مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اس وقت خواہ) ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور (خواہ) ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے۔ اور ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) (جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں ہاں اگر وہ (کفار خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) ان کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں (اور اسلام قبول کر لیں) تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے اور مہربانی فرمادیں گے اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد (عقیدہ (شرک) نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جاوے۔ اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔ حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو کوئی

تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو اور (جب حج عمرہ کرنا ہو تو اس) حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو۔ پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو (ذبح کرے) اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے (اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جائے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے سر منڈوانے کی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا کر) فدیہ (یعنی اس کا شرعی بدلہ) دیدے تین روزے سے یا (چھ مسکینوں کو) خیرات دینے سے یا (ایک بکری) ذبح کر دینے سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو (یا تو پہلے ہی سے کوئی خوف پیش نہ آیا ہو یا ہو کر جاتا رہا ہو) تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ملا کر منتفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ یا صرف حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو (اس کے ذمے) تین دن کے روزے ہیں (ایام) حج میں اور سات ہیں جبکہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجاوے یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل و عیال (مسجد حرام (یعنی کعبہ کے قرب و نواح) میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جاوے) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (دنیا کی اور مخالفت کرنے والوں کو) سزائے سخت دیتے ہیں۔

اسرار و معارف

شروع رکوع: ۸۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ ...... الی ...... كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (۱۸۹۔۰۹۔۹۱)

یہ باب البر چل رہا ہے آخر سورۃ تک مختلف احکام بیان ہو رہے ہیں، جیسے قصاص، وصیت، صوم اور اس کے متعلقہ مسائل اعتکاف، مال کا حلال و حرام پہچاننا اور اب حج اور جہاد کے بارے ارشاد ہے کہ آپ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمائیے کہ چاند کے اس گھٹنے بڑھنے میں سہولت یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی نظام ہے۔ وقت کو شمار کرنے کا خواہ معاملات اختیاری ہوں، جیسے مطالبہ حقوق وغیرہ اور خواہ غیر اختیاری جیسے عبادات مثل حج و روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عبادات میں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا اگرچہ شمسی نظام سے بھی سال اور مہینوں کا حساب لگایا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے

آلات رصد اور قواعد ریاضی کی ضرورت ہے، اس کے برعکس چاند کے طلوع سے خاتمہ تک مہینہ شمار کرنے کے لئے کسی آدمی کو تکلیف نہیں ہوتی خواہ وہ کسی دور دراز جنگل میں کیوں نہ بستا ہو۔ اسی لئے شریعت اسلامیہ نے تمام عبادات میں قمری مہینے کو اور اس کے حساب کو فرض قرار دیا ہے اور عام معاملات میں بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ سو چاند کے بڑھنے گھٹنے سے مراد انسان کے لئے وقت کی پیمائش کا ایک قدرتی آلہ مہیا کرتا ہے، اگر سوال یہی تھا تو جواب ہو گیا، لیکن اگر سائل کی مراد گھٹنے بڑھنے کی حقیقت جاننا تھا تو اس جواب سے واضح ہو کہ اس سے انسان کے کوئی مصالح وابستہ نہیں اس لئے اسلوب بیان ایسا اختیار فرمایا کہ جس سے ظاہر ہے کہ انسان کو اس حد تک تحقیق کرنا چاہیئے جہاں تک انسانیت کے مصالح وابستہ ہوں۔ فضول جستجو میں وقت، محنت اور دولت کو ضائع نہ کیا جائے کہ اجرام سماوی کی حقیقت اول تو انسانی علم کی زد سے باہر ہے اور دوسرے اس کے جاننے یا نہ جاننے سے اس کی عملی زندگی کا کوئی تعلق نہیں، اس لئے یہ ساری کاوشس فضول ہے، ورنہ چاند کے طلوع غروب سے بے شمار قدرتی اثرات بھی وابستہ ہیں، جیسے پھلوں میں مٹھاس وغیرہ مگر چونکہ انسان نہ اس کو طلوع کرنے پر قادر ہے نہ غروب نہ اس کی روشنی کو کم یا زیادہ کرنے پر اور نہ اس کے اثرات گھٹا بڑھا سکتا ہے سو اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس سے ماہ و سال شمار کرنے، خصوصاً مسلمان اوقات عبادات کے مہ و سال اسی سے شمار کرے یہ چاند پر بسنے کے خیال کچھ دولت اور وقت کا ضیاع ہے، یہی کروڑوں ڈالر زمین پر انسانی سہولت کے لئے خرچ ہوتے تو دوسرے کروں پر بھاگنے کی ضرورت نہ رہتی اور اگر کوئی دوسرے کروں پہ چلا بھی گیا تو اصلاح کے لئے وہاں بھی ایٹم بم ہی لے جائے گا پھر فائدہ؟

اور پھر یہ نیکی نہیں ہے کہ تم عبادات کے لئے رواج کی پیروی کرو جیسے حج کے زمانے میں مشرکین گھروں میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے مگر گھر جانا بھی ضروری ہے تو پھر پیچھے سے دیوار پھاڑ کر اندر جاتے ہیں یہ کوئی تک نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے مالک حقیقی سے حیا کرے اور اس کی فرمانبرداری میں لگا رہے سو اس کے حکم کے مقابلے میں کسی رواج کی کوئی حیثیت نہیں، کسی فعل کو نیک ثابت کرنے کے لئے اسے سنت سے ثابت کرنا ہوگا اور چونکہ یہ اقدام سنت میں نہیں سو یہ کوئی نیکی نہیں، دراصل کتاب اللہ کے احکام بھی ثبات سنت خیرالانام ہی سے ہوں گے ورنہ یار لوگ مختلف لغات کا سہارا لے کر بات کو کہیں سے کہیں لے جائیں گے، سو اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہو اس کی ناراضگی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور نہ صرف دین کے مقابل رواج پر عمل ہی چھوڑ دو بلکہ جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں اور دین کی جگہ اپنا رواج جاری کرنا چاہتے ہیں ان کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ ان سے جنگ کرو اور اللہ کے لئے اس کی رضا کے لئے کرو۔ کسی انتقامی جذبے سے یا ذاتی غرض سے نہ سوچو چونکہ وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے ان سے بھی زیادتی نہ کرو۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا، اسی لئے جنگ کو جہاد کا نام دیا ہے کہ اس میں مقابل کی بھلائی بھی پیش نظر ہوتی ہے اور اس کی اصلاح احوال بھی مقصود ہی وجہ ہے کہ جہاں مسلمان بحیثیت فاتح داخل ہوا مقابل کے دل بھی

فتح کرلئے اور جو جگہ کفار کے نتیجہ میں آئی وہاں کی زمین بھی ان کے ظلم سے تھرا اٹھی۔ تہذیب مغرب کے دلدادہ بیت المقدس پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے قبضہ کے حالات پڑھ کر اندازہ کرسکتے ہیں ۔

اگر کافر تم پر زیادتی کرنا چاہیں تو تم بھی بے جگری سے لڑو اور ہو سکے تو جس طرح انہوں نے تم سے شہر خالی کرالیا تھا تم بھی انہیں نکال باہر کرو کہ " فتنہ " یعنی شر انگیزی اور دین کی مخالفت کر کے فساد مچانا یا اس کی کوشش کرنا قتل سے زیادہ سخت جرم ہے جس کے یہ مرتکب ہو رہے ہیں نیز اس سارے قتال میں بھی اللہ کی عظمت پیش نظر رکھو اور حدود حرم میں لڑائی سے احتراز کرو ہاں اگر وہ لوگ وہاں تم سے لڑنا شروع کر دیں تو پھر تمہیں اجازت ہے دفاعی جنگ ضرور لڑو اور ایسی جم کر لڑو کہ ان کے پرخچے اڑا دو " فاقتلوھم " اور کافر اسی سلوک کا مستحق ہے کہ جب وہ مسلمانوں سے زیادتی کرے تو اسے منہ توڑ جواب دیا جائے ۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب حضورؐ حدیبیہ کے بعد اگلے سال عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو اگرچہ مشرکین کا حضورؐ کے ساتھ معاہدہ تھا مگر صحابہ کرام کو اعتبار نہ تھا تو اس دور میں چار مہینے حرمت کے مقرر تھے ۔ ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم تین ماہ مسلسل اور چوتھا رجب ۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت باقی رکھی جو بعض حضرات کے خیال میں ۹ ہجری میں منسوخ ہو گئی مگر بایں ہمہ اب بھی ان کا وہی احترام باقی ہے اور باجماع ان میں صرف دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت ہے (معارف) اس وقت بھی ان میں کوئی کسی سے زیادتی نہ کرتا تھا اور لوگ بے خوف سفر کرتے تھے پھر حرم کی حرمت بھی تھی جو ابھی تک چلے اور قیامت تک رہے گی کہ حرم میں شکار بھی نہ مارا جائے، حتیٰ کہ سبز گھاس تک نہ کاٹی جائے تو چونکہ مسلمان تو حرم کی عزت کریں گے لیکن اگر مشرکین معاہدہ توڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا چاہیں تو ؟ اللہ کریم نے یہ ساری آیات نازل فرما کہ ضابطہ مقرر کر دیا کہ حرم کی حرمت کا خیال رکھو لیکن اگر کافر اس کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیں تو ایسا مت ہونے دو۔ اسی صورت میں فقہا فرماتے ہیں کہ حد حرم میں اگر کوئی کسی کو قتل کرنا چاہے تو اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے سو اگر ایسی صورت ہو تو انہیں بے دریغ قتل کرو خواہ وہ کہیں ہوں حرم میں یا بیت اللہ کے پردوں میں چھپنے کی کوشش کریں مگر ہاں زیادتی نہ کرو یعنی جو نہ لڑے یا لڑنے کے قابل ہی نہ ہو بچہ، بوڑھا، عورت وغیرہ انہیں مت چھیڑو کہ زیادتی اللہ کو پسند نہیں اور ان سب زیادتیوں کے بعد بھی اگر کافر بھی باز آجائیں تو اللہ بہت بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۔ سبحان اللہ

فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم ..... الی ..... واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (۱۹۵)

دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

لیکن اگر باز نہ آئیں تو ان سے جنگ کرو اور اس وقت تک ہتھیار نہ رکھو جب تک فساد کی کوئی چنگاری باقی ہے، حتیٰ کہ فساد

مٹ جائے اور اللہ کی حکومت قائم ہو اللہ کی مخلوق پر اللہ کا قانون نافذ ہو اور انسانی خواہشات کے پلندے کو قانون کا نام دے کر کسی پر نہ ٹھونسا جائے۔ ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر اللہ کی مقرر کردہ حدود میں اپنا مقام اور حق حاصل کر سکے اور اگر کفار سرکشی سے باز آجائیں تو سوائے ان لوگوں کے جن کے ذمہ جرائم ہوں، سب کو معاف کردو، یعنی محض اسلام دشمنی کی سزا نہ دو کہ اس سے تو وہ باز آچکے۔ ہاں کسی نے کسی پر زیادتی کی ہو تو اس سے اس کا حق دلوا دیا جائے، یہی حال اشہر حرام کا ہے کہ اگر وہ اس کا خیال رکھیں تو پھر درست لیکن اگر وہ ہی پرواہ نہ کرے تو دفاعی جنگ سے مت ہٹو کہ یہ حرمت تو بدلے کی شے ہے اگر وہ کریں گے تو پائیں گے بھی ورنہ سارا وبال ان کی گردن پر اور جو بھی تم پر زیادتی کرے ویسا ہی اسے جواب بھی دو اور یاد رکھو یہ تم پر زیادتی کیوں کرتا ہے تمہارا جرم کیا ہے کہ تم نے دین حق قبول کیا تو تم جواب دیتے وقت بر حق کو سامنے رکھو اور دفاع کرو، کبھی زیادتی کرنے والے نہ بن جاؤ کہ تائید باری ہمیشہ متقی یعنی اللہ سے حیا کرنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ انفاق اگرچہ عموماً دولت خرچ کرنے کے معنوں میں آتا ہے، لیکن یہاں اس کا بہتر ترجمہ اپنی ساری توانائی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے کہ جہاں دولت کی ضرورت ہو وہاں دولت جہاں تعاون کی ضرورت ہو وہاں تعاون اور جہاں زبان و قلم سے کام چلے وہاں زبان و قلم اور جہاں جان کا نذرانہ درکار ہو وہاں جان دے یعنی یہ چند روزہ زندگی اور عارضی اقتدار اور وقتی دولت یہ سب کچھ اللہ کے لئے خرچ کرو کہ تم اس کا اعلیٰ بدلہ پاؤ۔ مزید کہ ان پر نثار ہوتے رہو اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کے اسباب کر بیٹھو۔ " ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ " یعنی اپنی تباہی کے باعث نہ بنو کہ آج تم ان چیزوں کو محبوب رکھو اور مقصد حیات بنالو تو کل یہ تو چھین ہی جائے گی اور اللہ کی راہ میں محنت نہ کرنے سے آخرت بھی گئی سو ہمیشہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرو بھلائی کرو کہ اللہ اچھائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اچھائی نام ہے سُنتِ خیرالانام کا جو کام بھی سنتِ رسول کی حدود کے اندر ہو اچھائی ہے اور اس کا کرنے والا اللہ کا محبوب۔ والا فلا..... ونیز فقہا کی رائے میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض مصارف ایسے ہیں جن کو پورا کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے جیسے جہاد کے اخراجات اور اگر ضرورت پیش نہ ہو گی تو فرض بھی نہ ہوں گے اور ترک جہاد ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مطابق اس آیت کا شانِ نزول ہی یہ ہے کہ غلبۂ اسلام کے وقت لوگوں میں گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی ضرورت اتنی نہیں رہی کہ اب اپنی کھیتوں وغیرہ سے زیادہ محنت کرنی چاہیے تو یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک ایسی حالت میں کہ سوائے اس کے مسلمانوں کو شہید کرایا جائے دشمن کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے۔ لڑنا بھی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے مگر یہ معنی بہت بعید ہیں اور اگرچہ آیت سے مستفاد ہوتے ہیں مگر

ان چیزوں کا مدار خلوص نیت پر ہے۔

اسی لئے ارشاد ہے واتقوا کہ ہر کام خلوص نیت اور صمیم قلب سے کرو کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تفسیر حدیث جبریل میں یہ فرمائی ہے کہ عبادت اس طرح کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

واتموا الحج والعمرۃ للہ ط .... الخ .... ان اللہ شدید العقاب (۱۹۶)

باب البر میں گیارہواں حکم حج کا ہے جو مذکورہ آیت سے لے کر ۲۰۳ نمبر آیات تک مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ حج باجماع امت ارکانِ اسلام میں سے ہے اور ایک اہم فرض ہے، جس کی تاکید و اہمیت کتاب وسنت میں بکثرت وارد ہے۔ بحوالہ ابن کثیر جمہور کے قول کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال آلِ عمران کی آیت وللہ علی الناس حج البیت ــــــ میں اس کی شرائط کا بیان ہے اور باوجود طاقت رکھنے کے حج نہ کرنے پر سخت وعید ہے مگر یہ آیت قصہ حدیبیہ میں نازل ہوئی جو ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس لئے اس میں فرضیت حج کا ذکر نہیں بلکہ حج وعمرہ کے احکام کا بیان ہے کہ عمرہ کا بیان سورہ آل عمران کی آیات میں نہیں تو یہاں یہ مذکور ہے کہ حج وعمرہ بذریعہ احرام شروع کر دینے سے واجب ہو جاتے ہیں اگرچہ عمرہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور یہی آئمہ کے اقوال سے ثابت ہے۔

یہاں جس طرح پہلی آیت میں احسان کا ذکر ہو رہا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ حج وعمرہ بھی صرف اور صرف اللہ کے لئے ادا کرو اس سے غرض اصلی اللہ کی رضا کا حصول ہو نہ محض سیر و تفریح مراد ہو نہ تجارت اور نہ ہی شہرت کی غرض ہو اگرچہ سب چیزیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں میسر بھی ہوتی ہیں اور بہت کچھ خرید و فروخت بھی۔ لوگ حاجی صاحب بھی کہتے ہیں مگر ان کا حصول مراد نہ ہو اس کی جانچ اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر سفر حج میں ہم ارکان حج کی ادائیگی میں متفکر ہیں تو یقیناً نیت درست ہے پھر تو آدمی ایک ایک رکن کو پوچھ پوچھ کر اور پوری محنت سے ادا کرے گا اور اگر ہم نے ارکان تو بجائے خود نمازوں تک کی ادائیگی میں کوتاہی برتی تو پھر اپنے دل کو ٹٹولنا چاہیئے کہ اس تمام سفر کا آخر مقصد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فرمایا اللہ سے ڈرتے رہو ان اللہ شدید العقاب کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سفر ہر حال میں مبارک ہے، حالانکہ اب نہیں ہے، اگر سفر حج میں بھی اور ارکان حج کی ادائیگی میں بھی لاپرواہی اور کوتاہی کو اختیار کیا تو یہی بات غضب الہی کو دعوت دینے کا سبب بن جائے گی، جہاں ایک نماز ایک لاکھ کا ثواب پاتی ہے وہاں کی نماز کو چھوڑ دینا بھی تو گویا ایک لاکھ کو ضائع کرنا ہے۔

اب احکام کو لیجئے تو پہلا حکم یہی ارشاد ہوا کہ اگر احرام باندھنے کے بعد تمہیں کوئی عمرہ ادا کرنے سے روک دے۔ جیسے اس واقعہ میں

مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو روک دیا تھا تو قربانی دے کر احرام کھول دے جس کی شکل بال منڈانا یا کٹوانا ہے اور قربانی بکرے، گائے یا اونٹ جو میسر ہو دے سکتا ہے۔ نیز قربانی حد حرم میں ذبح کی جائے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر خود نہ پہنچ سکتا ہو تو کسی دوسرے کے ہاتھ روانہ کر دے۔ اسی سے ثابت ہے کہ احرام کی صورت میں بال کٹوانا منع ہے، اگرچہ یہ حکم دشمن کے روکنے کی صورت میں ہے مگر ائمہ نے باشتراک علت بیماری وغیرہ کی مجبوری کو اسی میں داخل کیا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ اگرچہ مجبوری کی شکل میں قربانی دے کر احرام کھول دے مگر جب یہ مجبوری ہٹ جائے تو قضا کرے کہ اس کی قضا واجب ہے۔

چونکہ سر کے بال منڈانا یا کٹوانا ہی احرام کھولنے کی علامت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے سر یا بدن کے کسی دوسرے حصے کے بال کٹانے پر مجبور ہو تو بقدر ضرورت بال تو کٹا لے مگر اس کا فدیہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔ قربانی تو حد حرم میں کرے روزے یا صدقہ جہاں بھی ادا کر دے سنت ہے، نیز قرآن میں تو کوئی عدد یا مقدار مذکور نہیں مگر حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم بطور صدقہ دے (بخاری) آدھا صاع تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے یا اس کی قیمت ادا کر دے۔

قبل اسلام کے رواجات میں یہ بھی تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہ شوال سے حج وعمرہ کو جمع کرنا گناہ ہے تو یہاں اس کی اصلاح کر دی گئی کہ جو لوگ حدودِ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ تو حج اور عمرہ جمع نہ کریں کہ ان کو عمرہ کی غرض سے سفر کرنا دشوار نہیں مگر باہر سے آنے والوں کو حج کے ساتھ عمرہ جمع کرنے کی اجازت ہے۔ میقات وہ مقامات ہیں جو اطرافِ عالم سے آنے والے حجاج کے لئے ہر راستہ پر متعین ہیں اور حج یا عمرہ کا احرام باندھے بغیر وہاں سے آگے بڑھنا گناہ ہے، البتہ جو لوگ حج وعمرہ کو جمع کریں ان پر شکر واجب ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک قربانی دے گائے یا اونٹ لیکن اگر اس کی ہمت نہ رکھتا ہو تو پھر اس پر دس روزے واجب ہیں جن میں سے تین ایام حج کے اندر رکھے یعنی نویں ذوالحج تک پورے کر دے اور سات حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے اگر تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکے تو پھر اکابر اور امام

صاحب کے نزدیک اس کے لئے قربانی ضروری ہے جب قدرت ہو حرم میں قربانی کرا دے۔

حج اور عمرہ کو جمع کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ تمتع اور قران۔ ایک یہ کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے۔ یہ احرام حج کے احرام کے ساتھ کھولے گا اسے قران کہا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے جو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کر کے کھول دے اور پھر آٹھویں ذوالحج کو منیٰ جانے کے لئے حج کا احرام باندھے۔ یہ تمتع ہے۔ اور ان سب امور میں خوف خدا کو

پیش نظر رکھے اور کسی طرح کی کوتاہی یا سستی کو درمیان میں نہ آنے دے کہ اللہ کے عذاب بہت سخت ہیں۔ آج کل تو اکثر لوگ پرواہ نہیں کرتے، غلط کار معلموں کے ہتھے چڑھ کر ساری محنت ضائع کرتے ہیں یا دوستوں کی محافل میں بے پروائی سے وقت ضائع کرکے چلے آتے ہیں اور بہت سے لوگ تو فرائض کی پرواہ نہیں کرتے۔ سنن و آداب کی تو بات ہی کیا اللہ ہم سب کو اصلاح احوال کی طاقت بخشے۔ آمین ۔۔

رکوع ۹   اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا

مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ

اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا

يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ
فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي
نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَ
قُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

ترجمہ:

(زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال - ذیقعد اور دس تاریخیں ذی الحج کی) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اس کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے اور نہ کوئی کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔ اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور (جب حج کو جانے لگو) خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو۔ تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ناواقف ہی تھے پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ کہ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں (اور احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور مہربانی فرما دیں گے۔ پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (و اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو

بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہو۔ سو بعضے آدمی (جو کہ کافر ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے ایسے لوگوں کو دونوں جہان میں بڑا حصہ ملے گا بدولت ان کے اس عمل کے اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر و کئی روز تک۔ پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیاوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر حالانکہ وہ (آپ کی مخالفت میں) نہایت شدید ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور (کسی کے) کھیت یا مواشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔ اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر تو نخوت اس۔ گناہ پر (دونا) آمادہ کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے۔ اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور (فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ (کجراہ) لوگ صرف اس امر کے منتظر (معلوم) ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے) آویں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے اور یہ سارے مقدمات اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جاویں گے۔

اسرار و معارف

رکوع ۹ شروع۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ...... تا ...... وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (۲۱۰)

عمرہ کے لئے تاریخ یا مہینہ مقرر نہیں بلکہ سارا سال جب چاہیں ادا کریں مگر حج میں یہ بات نہیں بلکہ اس کے لئے مہینے مخصوص ہیں اور پھر تاریخیں، مقامات اور خاص تاریخوں میں مقررہ مقامات پر افعال و اعمال مقرر ہیں جو معروف ہیں کہ عہد جاہلیت میں بھی یہی مہینے مقرر تھے، یعنی شوال ذیقعد اور دس روز ذی الحج کے اور اسلام میں بھی یہی باقی رہے، یعنی شوال سے پہلے

حج کا احرام باندھنا جائز نہیں ۔ اب جو کوئی حج کا ارادہ کرے تو یہ بات خوب جان لے کہ فحش بات یا کسی طرح کی نافرمانی یا کسی قسم کے نزاع کی دوران حج بالکل گنجائش نہیں ہے ۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج ۔ رفث سے مراد عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات حتیٰ کہ زبان سے اس بارے میں کھلی گفتگو ہے جو حالتِ احرام میں حرام ہے ۔

فسوق اصطلاحاً نافرمانی کے لئے بولا جاتا ہے ، یعنی ان باتوں سے جن سے بچنے کا حالت احرام میں حکم ہے اپنی پوری کوشش سے بچے کہ یہ سعادت روز روز حاصل نہیں ہو سکتی اور ذرا ذرا سی کوتاہیاں بھی اس کے حسن و کمال کو ضرور متاثر کرتی ہیں اگرچہ بعض فسوق ایسے بھی ہیں جن سے حج ہی فاسد ہو جاتا ہے ، جیسے حالت احرام میں وقوفِ عرفات سے پہلے بی بی سے صحبت کر لی تو حج فاسد ہو گیا ۔ بطور جرمانہ قربانی بھی دے گا اور اگلے سال پھر حج بھی کرے گا ۔

اسی لئے یہ علیحدہ لا رفث کہ بیان فرمایا ۔ دوسرے ممنوع امور مثلاً بری جانوروں کا شکار کرنا یا شکاری کو بتانا ۔ بال یا ناخن کٹوانا ، خوشبو استعمال کرنا ، مردوں کے لئے سلے ہوئے کپڑے اور سر اور چہرے کا ڈھانپنا اور عورت کے لئے بھی حالت احرام میں چہرے کا ڈھانپنا درست نہیں ۔ تو غرض یہ ہے کہ ان جملہ امور سے سخت اجتناب کرے یا اسی طرح کہ اس ہجوم خلائق میں اکثر نوبت جھگڑے کی آتی ہے ، کبھی سفر کے ساتھیوں سے اور کبھی کھانے پکانے کے معاملے میں ، کبھی کوئی شے خریدنے یا بیچنے کے وقت اور کبھی طواف وسعی کے دوران کہ ہر جگہ ایسے مواقع بکثرت آتے ہیں ۔ عورتوں اور مردوں کا اختلاط جس سے بچنا اس ہجوم میں ممکن نہیں پھر مسلسل سفر اور جگہ جگہ عارضی قیام اور وقت بے وقت کے کھانے پینے سے اور تھکاوٹ سے مزاج میں برہمی اور عبادات میں سستی ان سب چیزوں کا سب سے زیادہ موقع یہیں بنتا ہے جس سے بچنا اور پوری کوشش سے بچنا ضروری ہے جس کی ایک ہی صورت ہے کہ نگاہ صرف بیت پر ہی نہ ہو بلکہ صاحب بیت کی عظمت سے دل منور ہو اور لبیک کی صداؤں کے ساتھ دل بھی طوافِ کعبہ مصروف ہو اور اعمال کو دیکھنے والا ہے سوان تمام مواقع پر بچنے کی کوششیں اور صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے محنت کو اللہ خود دیکھ رہا ہے بلکہ سفر حج میں مصارف حج کا خوب اہتمام کرو ۔ وَتَزَوَّدُوْا کہ ایسا نہ ہو تم کسی پر بوجھ بن کر اسے رکھ دو یا گداگری کرتے پھر رہے ہو کہ چلے تھے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور پھر رہے ہیں غیر اللہ کے در پر سو اپنے دین کو بچانے اور اللہ کی عبادت کے لئے سفر خرچ کا ساتھ ہونا ہی بہترین ذریعہ ہے اسی لئے تو حج فرض ہی صاحب استطاعت پر ہے اور اس کا مشاہدہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بھی کرتے ہیں کہ جو شخص مزدوری کر کے اپنی روزی نہیں کما سکتا اس سے کسی نیکی کی امید بھی مشکل ہے ، بعض لوگوں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں جن کی ساری عمر خراب میں اور منبر پر گزرتی ہے مگر وہ حق بات بیان نہیں کر پاتے اس لئے کہ یہی ان کا ذریعہ

معاش ہوتا ہے کاش مزدوری کر کے آتے اور منبر پہ بیان کرتے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں حق بیان کرنے سے نہ روک سکتی۔ سوکم از کم حج جیسی عبادت کے دوران تو انسانوں کی عطا پر نظر نہ ہو۔

یہ بات بہت واضح ہے کہ صحابہ کرام سے لے کر عصر حاضر تک انقلابی کام جس ہستی نے بھی کیا ہے اس نے روزی کمانے کے معروف ذرائع اختیار کئے اور دینی خدمات کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا، خواہ ائمہ اربعہ ہوں اور دیگر ائمہ فقہ یا حدیث و تفسیر یا صوفی اور اہل اللہ کے سرخیل ہوں۔ آپ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے لے کر شیخ احمد سرہندی تک تمام کی زندگیوں کے حالات دیکھیں تو یہی ایک بات ہر جگہ کارفرما نظر آئے گی۔

واتقون یا اولی الالباب اور خوفِ خدا ہی عقل کی معراج ہے ان تمام محنتوں اور عبادتوں کا ماحصل اللہ سے تعلق اور اس کی ناراضگی کا خوف ہی تو ہے جو انسانوں سے امیدیں وابستہ کرنے سے ضائع ہو جاتا ہے اور یہ ہرگز عقلمندی نہیں کہ مخلوق کو خوش رکھنے کے لئے خالق کو ناراض کر دیا جائے۔

لیس علیکم جناحٌ ان تبتغوا فضلاً من ربکم قبل از اسلام جو رسوم حج کے نام سے باقی تھیں ان میں زیادہ حصہ دنیا کمانے اور نمود و نمائش ہی کا تھا۔ عبادت کا تو نام تھا۔ بڑے بڑے بازار لگتے اور منڈیاں سجائی جاتی تھیں، تو یہاں اس کی بھی اصلاح فرمائی کہ اگر دوران سفر حج کوئی شے خرید لی یا فروخت کر دی کہ اللہ کی عطا سے فراخی نصیب ہو تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں مگر یہ کہ اسے محض تجارتی سفر بنا کر رکھ دیا جائے۔ اور دولت سمیٹنے کا ایک حیلہ ہرگز درست نہیں۔ یہاں لیس علیکم جناح سے واضح ہے کہ اگرچہ اس کی اجازت ہے مگر اس سے اگر آدمی بچ سکے تو بہتر ہے کہ یہ مقصد اصلی تو نہیں سو اس کا مدار ارادہ اور نیت پر ہے اور جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کی یاد کرو اور اس طرح کرو جیسے تمہیں بتلایا گیا ہے۔

عرفات ایک مشہور میدان ہے جو حرم سے باہر واقع ہے جس میں حجاج کا پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک قیام کرنا حج کا نہایت اہم فرض ہے یہاں سے لوٹ کر مزدلفہ میں قیام ہوتے، جہاں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں اکٹھی ادا کی جاتی ہیں۔ مشعرِ حرام ایک پہاڑ ہے جو اسی میدان میں واقع ہے۔ حجاج اسی میدان میں رات گزار کر علی الصبح منیٰ کو لوٹتے ہیں تو فرمایا کہ اگرچہ تجارت کی اجازت ہے مگر مقصد اصلی تو حصول معرفت ہے جس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی ہے اور وہ بھی اس طرح سے جس طرح سے تمہیں بتلایا گیا ہے۔ کما ھداکم سے یہ واضح ہوا کہ کوئی عبادت یا طریقہ عبادت اس وقت تک مقبول نہیں جب تک اس کی سند سنتِ رسول سے حاصل نہ ہو۔

اب تو یہ حال ہے کہ لوگ اگر فرائض میں تو کسی حد تک احتیاط کرتے ہیں مگر نوافل و صدقات میں اور ذکر و اذکار میں اپنے

طرف سے بعض طریقے ایجاد کر لیتے ہیں، جیسے کسی بزرگ کے ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص رقم یا شرینی اور پھر کسی خاص دن سے مختص کر لینا یا دور حاضرہ کا جدید فتنہ کہ اذان کے اول یا آخر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام اور اس قبیل کی بہت سی اشیا جو عہد رسالت میں یا سنت مبارکہ سے ثابت نہیں ہیں۔ جن کا کرنا خود درست نہ تھا چہ جائیکہ ان پر اس قدر اصرار کہ ذکر نے والے کو اچھا مسلمان ہی شمار نہ کرنا اور اس طرح کی بہت سی چیزیں کی نفی ہو رہی ہے کہ عبادات میں آدمی کے بس کی بات نہیں کہ جو چاہے کرے بلا دلیل شرعی ہرگز قدم نہ اٹھائے یہاں تک قریش نے جو امتیازی حیثیت قائم رکھنے کے لئے طریقہ گھڑ رکھا ہے کہ لوگ تو عرفات سے لوٹیں اور یہ مزدلفہ سے باہر نہ جائیں یہ بھی عہد جہالت کی رسم تھی کہ قریش یہ کہتے ہوئے کہ ہم تو حرم کے مجاور ہیں۔ ہمیں حد حرم سے باہر جانا زیب نہیں دیتا۔ مزدلفہ سے لوٹ آتے تھے چونکہ وہ حد حرم میں ہے اور عرفات باہر سو وہاں نہ جاتے تو اللہ نے اس کی اصلاح فرمائی کہ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ سب اسی جگہ سے ہو کر لوٹو جہاں تک سب لوگ جاتے ہیں اور ہر وقت اللہ سے معافی چاہتے رہو یہاں اصلاح تو عہد جہالت کی ایک رسم ہو رہی ہے مگر اصول ایسا ارشاد فرمایا کہ انسانی معاشرہ ہمیشہ اس کا ضرورتمند ہے اور وہ یہ کہ بنیادی طور پر سب انسان انسان ہیں اگر مال و دولت یا اقتدار و وقار سے کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اپنے مقام پر ہے اسے انسانوں سے نکال کر کوئی اس سے اعلیٰ مخلوق نہیں بنا سکتی سو اپنے آپ کو ہمیشہ انسان سمجھو۔ عبادات میں بھی اور عام معاشرت میں بھی اور کبھی کوئی شخص اپنے لئے امتیازی صورت اختیار نہ کرے کہ اس سے نفرت اور باہمی دشمنی پیدا ہوگی اور مل کر رہنے سے باہمی اخوت اور محبت، یہی تھے حضور اکرمؐ کے آخری خطبہ حج میں ارشاد ہوئی ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں اگر اس طرز معاشرت کو اپنایا جائے تو دنیا سے مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ ختم ہو جائے جو دور حاضرہ کی تمام خرابیوں کی بنیاد ہے سو سب کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنی کوئی امتیازی شان نہ چاہو بلکہ اللہ سے استغفار کرتے رہو کہ اللہ تمہاری ساری خطائیں معاف فرمائے یا دوران حج جو کمی رہ گئی ہے اس سے درگذر فرمائے کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ سو جب ارکان حج پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو جس طرح تم اپنے اجداد کا ذکر عہد جہالت میں کرتے تھے اس سے بڑھ کر اللہ کا ذکر کرو۔ عہد جاہلیت میں نام تو حج کا ہوتا تھا مگر اصل ذریعہ اس کو حصول زر یا اظہار تفاخر کا بناتے تھے اور جب لوٹ کر منیٰ میں پہنچتے تو بڑے بڑے بازار لگتے۔ خرید و فروخت ہوتی اور مجالس قائم کی جاتی تھیں، جن میں اپنے اجداد کے کارنامے بطور تفاخر کے بیان کئے جاتے۔ اللہ کریم نے دونوں رسموں کی اصلاح فرما دی کہ نہ تو تجارت بنیادی مقصد ہے اور نہ اس قدر ممنوع

کہ آدمی ضرورت بھی پوری نہ کر سکے، اور حج میں میلوں، ٹھیلوں کی گنجائش بھی نہیں کہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں بے شمار موانع ہیں۔ عزیزوں سے مفارقت زادِ راہ کا اہتمام بہت سا وقت اور سفر کی مشکلات، صحت و بیماری تو ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے جس نے حج کی توفیق بخشی ہے اسی کا ذکر کرو اور بہت شدت اور کثرت سے کرو اگر عرفات سے لوٹنے کے بعد بھی تمہیں اپنی برائی ہی کے اظہار کا فکر ہے تو گویا تم معرفت باری سے محروم رہے کہ ذکر اور معرفت لازم و ملزوم ہیں۔

حصول معرفت کا ذریعہ اگر ذکر ہے تو معرفت کا ماحصل بھی ذکر ہے کہ جب معرفت باری کا کوئی کرشمہ بھی نصیب ہو جائے تو عظمت باری مستحضر ہوتی ہے اور آدمی اپنی بے بسی اور محتاجی کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اپنے وجود اپنے کمالات اپنے اعزازات و مقامات سب اللہ کی عطا کے مختلف مناظر بن کر سامنے آتے ہیں جو کثرتِ ذکر کا سبب بن جاتے ہیں جیسے بیج درخت کے اگنے کا سبب بھی ہے اور اس کے پھل کے اندر پھر بیج ہی حاصل کے طور پر بھی۔

اسی طرح ذکر ابتدا بھی ہے اور ذکر انتہا بھی یہ تخم بھی ہے اور ماحصل بھی سو اللہ کے احسانات کے پیش نظر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ آج اگرچہ وہاں وہ رسوم تو نہیں ہیں مگر تہذیب جدید کا ڈسا ہوا انسان آج بھی وطن پارٹیوں اور تفریحات میں وقت کو برباد کرتا ہے جس سے اجتناب ضروری ہے اور ہر لمحہ یاد الٰہی میں بسر کرنا ہی حاصل سفر ہے بلکہ بعض لوگ تو ان عبادات کو ادا کرنے کے بعد محض دنیاوی چیزوں کے حصول کی دعا مانگتے ہیں، حالانکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے، جس کا تو ذکر ہی نہیں کرتے، در اصل جس قدر مذاہب باطلہ ہیں انہوں نے دنیوی فوائد کا لالچ دے کر اپنی دکان سجائی ہیں اور ہر عبادت کے نتیجے کے طور پر کوئی نہ کوئی دنیا کا فائدہ ظاہر کیا ہے اسی طرح ہر دیوتا کی خوشنودی پر بھی کسی نہ کسی دنیاوی کامیابی کا حاصل ہونا مقرر کیا ہے مگر اسلام نے فرد کو اس کی حقیقت ذات اور ابدی زندگی سے آشنا کیا ہے سو صرف دنیا مانگنا گویا خود کو آخرت سے محروم کرنا ہے جیسے آج بھی لوگوں کو حصول دنیا کے لئے مختلف وظائف بتائے جاتے ہیں اور لوگ مقامات مقدسہ پر بھی اغراض دنیوی کا پلندہ لئے پھرتے ہیں بلکہ بہت سے حضرات حصول دنیا کے لئے نوافل ادا کرتے ہیں سی طرح بہت سے حضرات بزرگوں سے تعلق بھی خواہ وہ زندہ ہوں یا دنیا سے گزر چکے ہوں۔ دنیا طلبی کا ہوتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی دعا اور توجہ سے ہمارے بہت سے کام نکلیں گے۔ تجارت میں فائدہ ہوگا۔ مقدمہ جیت جائیں گے وغیرہ وغیرہ اور اگر ان چیزوں کو درمیان سے نکال دیں تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے لئے اللہ والوں کے پاس جانے والوں کی تعداد شاید نہ ہونے کے برابر ہو، سو ایسے لوگ جو محض دنیا کے لئے اللہ والوں کے پاس جاتے ہیں یا اور نوافل ادا کرتے یا مقامات مقدسہ کے طویل سفر کرتے ہیں یہ تو ازلی محروم ہیں کہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق ابدی راحت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہاں دنیا بھی مانگے کہ سب کچھ اللہ ہی سے مانگتا ہے مگر یوں عرض کرے۔

ربنا اٰتنا فی الدُّنیا حسنۃ۔ کہ اے اللہ میرے پروردگار مجھے دنیا بھی دے تو حسنہ ہو یعنی تجھ سے دور کرنے والی اور تیری ناپسندیدہ نہ ہو بلکہ دنیا بھی تیری یاد دلانے والی اور تجھ سے قریب کرنے والی ہو اعمال کی توفیق دے تو مطابق سنتؐ ہو ایسا رزق عطا فرما جو حلال اور طیب ہو یعنی نہ صرف دنیا طلبی مقصد اور نہ دنیا سے بیزاری کی ضرورت کہ دنیا ہی دین بھی ہے کہ انسان اپنی بقا اپنے اعمال اور عبادات سب میں ضروریات دنیوی کا محتاج ہے سو دنیا طلب کرے مگر ایسی دنیا جو تعمیر آخرت کا سبب ہو جس پر ابدی زندگی کی راحتوں کا حصول آسان ہو جائے یہاں ان لوگوں کی اصلاح بھی مقصود ہے جو ترک دنیا کو وصول الی اللہ کا سبب کہتے ہیں اور دنیا کے لئے دعا مانگنا بزرگی کے خلاف شان جانتے ہیں یہ بھی جہالت ہے اصل قاعدہ یہ ہے اور یہی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ بھی ہے کہ دنیا کو مقصد نہ بنائے بلکہ آخرت کی فکر کرے اور دنیا کو حصول آخرت کا سبب بنائے اور یہی شے اللہ سے مانگے اور ہمیشہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتا رہے کہ خلاف شریعت دنیا کا حصول دراصل دوزخ کی آگ ہے اور جائز طرح سے دنیا کے کاموں کا کرنا بھی عبادت ہے اور یہی دنیا کا حسن ہے اور اسی پر آخرت کی بھلائی مرتب ہوتی ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ واللہ سریع الحساب وہ سب امور سے پوری طرح آگاہ ہے اور ظاہر و باطن سے واقف۔ تمہیں بہت جلد اس کے سامنے ان تمام امور کا حساب دینا ہے۔

واذکروا اللہ فی ایام معدودات۔ ان چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں جن میں منیٰ میں قیام ہوتا ہے اور جمرات پر کنکریاں ماری جاتی ہیں یہ دن عید کے ہوتے ہیں اور حج کا بھی اختتام ہوتا ہے۔ سو فرمایا کہ ان ایام میں بھی یادِ الٰہی میں لگے رہو۔ مصروفیت کے دن ہوں یا فراغت کے سفر ہو یا قیام حج ہو یا عید کوئی دن کوئی لمحہ یا کوئی حال ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو۔ اب اگر کوئی دس ذی الحجہ کے بعد بارہ تک رہا اور دعا کر کے واپس ہوا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی تیرہ تک رہا تو بھی ٹھیک ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ۱۲ ذی الحج کا سورج منیٰ میں غروب ہو تو پھر ۱۳ کو دعا کر کے آئے لیکن اگر ۱۲ کو دعا کر کے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے واپس ہوا تو پھر ۱۳ کو دعا اس پر واجب نہ رہی نیز ۱۳ کو دعا زوال آفتاب سے پہلے بھی درست ہے مگر یہ جملہ احکام کیفیات قلبی سے متعلق ہیں یہ سب تو اس کے لئے ہے۔ من اتقیٰ کہ جو اللہ سے ڈرنے والا ہو جس کے دل میں اللہ کی طلب اور اس کی ناراضگی کا خوف ہو۔ برخلاف اس کے جو دل عظمتِ باری سے خالی ہو اور حج بھی اپنی بڑائی کے اظہار کے طور پر کر رہا ہو اس کا احکام بجا لانا یا ترک کرنا برابر ہی ہیں اور اے لوگو اللہ سے ضرور ڈرو کہ تمہیں اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حج سے فارغ ہو کر آنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر آتا ہے، جیسے وہ ماں

کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو گویا جو شخص پہلے بھی نافرمان تھا اور دوران حج بھی سستی اور نافرمانی کرتا رہا اور لوٹ کر آنے پر بھی حال وہی ہے تو گویا اس نے حج کیا ہی نہیں کہ اگر اسے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوتی تو دل گناہوں سے متنفر ہو جاتا۔ ہاتھ پاؤں اللہ کی نافرمانی سے رک جاتے کہ دوران حج بھی تو ہر مقدس مقام پر اس نے گذشتہ سے معافی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا تھا، سو قبولیت حج کی دلیل یہی ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور آخرت کی رغبت پیدا ہو جائے اللہ کریم جملہ اہل اسلام کو اس کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

من الناس من یعجبک قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا ویشھد اللہ علی ما فی قلبہ وھو الد الخصام

بعض لوگوں کی باتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں اور پند و نصائح سے مزین ساتھ ہی وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں میرے دل میں بھی یہی ہے جو زبان پر ہے مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہوتا ہے ورنہ عملی زندگی میں تو کوئی بات مان کر ہی نہیں دیتے۔ سخت جھگڑالو اور فساد پیدا کرنے والے ہوتے ہیں اور جب محفل سے اٹھتے ہیں تو ایسے کام کرتے ہیں جو روئے زمین پر فساد اور کھیتوں اور نسلوں کی بربادی کا سبب بنتے ہیں ان سب کی ایک صورت تو ظاہراً فساد کرنے کی ہے اور دوسری یہ کہ ہر گناہ اپنی حیثیت کے مطابق ظلمت نحوست کا سبب بنتا ہے جو کسی نہ کسی درجہ میں دنیا و مافیہا کو متاثر کرتی ہے تو اس طرح گناہ کرنے والا نہ صرف نافرمان ہے بلکہ دنیا و مافیہا کو تباہ کرنے کے جرم کا مجرم بھی ہے۔

اخنس بن شریق ایک شخص تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا اور قسمیں کھا کر اپنے مخلص ہونے کا اعلان کرتا مگر عملی زندگی میں اطاعت کی بجائے نافرمانی اور فساد پیا کرتا یہی بات اللہ نے اس کے نفاق پر بطور دلیل ارشاد فرمائی ہے اور فرمایا کہ اللہ فتنہ انگیزی پسند نہیں فرماتا، سو حج اور اس کے ارکان تو اس لئے ادا کئے جاتے ہیں کہ عملی زندگی کو بدل دیں اگر یہ نہ کر سکا تو پھر اس نے کیا کیا! کہ اگر اسے ناپسندیدہ باتوں سے منع کیا جائے اور کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تمہیں یہ حرکات زیبا نہیں تو بجائے ڈرنے کے وہ اسے اپنی انانیت کو ایک چیلنج سمجھے اور مزید انہیں غلط کاریوں پہ جم جائے ایسے لوگوں کے لئے جہنم ہی سزاوار ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے اور بڑی سخت جگہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد اس کے مقابل ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے آپ کو بھی بیچ ڈالتے ہیں سبحان اللہ کفار اور منافقین کے مقابل صحابہ کا مثالی اخلاص بھی ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت فرمائی تو کفار مکہ نے راستہ میں جا گھیرا۔ آپ سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے قریش میرا ترکش بھرا ہوا ہے اور تم جانتے ہو میرا نشانہ خطا نہیں جاتا اس کے بعد میں اپنا نیزہ اور تلوار بھی آزماؤں گا اور جب تک دم ہے تم مجھ تک نہ پہنچ سکو گے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مکہ میں میرا جو سرمایہ ہے وہ تم لے لو

اور میرا راستہ چھوڑ دو، چنانچہ قریش اس پر راضی ہوگئے اور مال کا پتہ حاصل کر کے واپس چلے گئے۔

آپ جب خدمت نبوی میں پہنچے تو سارا واقعہ عرض کیا آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا۔ ابا یحییٰ تمہارا بیوپار نفع بخش رہا۔ اور صاحب مظہری نے لکھا ہے کہ کئی دوسرے واقعات بھی اس کی مثال ہیں جو آیت کا شان نزول ہے، بہر حال یہاں مقصد بیان یہ ہے کہ انسان تمام چیزوں کو خواہ دنیا کے منافع ہو یا انانیت کے تقاضے مرضات باری پر قربان کردے اور حج اس کی علمی تربیت کا سامان ہے۔ گھر اولاد کاروبار سب سے علیحدہ ہو کر آرام قربان کر کے ظاہری شان و شوکت کو چھوڑ کر دو اَن سلی چادروں میں مرد یا برہنہ لبیک لبیک کہنے کا مقصد تو یہی ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی رضا کے ساتھ ہی رہ سکتی ہیں ورنہ ان کو چھوڑا جاسکتا ہے اور اللہ کی اطاعت ترک نہیں کی جاسکتی اور اللہ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، یعنی کمی جب بھی واقع ہوتی ہے تو اس طرف سے ورنہ اللہ کی بخشش میں کوئی کمی نہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ اے ایمان والو اپنے تمام امور میں اسلام کی اطاعت اختیار کرو کہ عبادت ہو یا مزدوری کوئی بھی کام جو حد اسلام سے خارج ہو وہ شیطان کی پیروی ہوگا جو تمہیں ہرگز نہ کرنی چاہیئے کہ وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ بعض لوگوں نے صرف نماز روزے کو اسلام جانا اور اس کے علاوہ تمام امور میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور بعض لوگ مسجدوں میں داخل ہوئے تو مساجد سے باہر کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ ہی نہ رہا اور تیسرے گروہ نے نماز روزہ کو بھی وقت کا ضیاع جانا۔ یہ سب افراط و تفریط ہے۔ اپنے نظریات و عقائد سے لے کر اعمال ذکر اور فکر سب کو اسلام کا تابع بناؤ۔ نماز کے وقت مسجد میں کاروبار کے وقت بازار میں اور جہاد کے وقت میدان میں ایک مسلمان نظر آؤ۔ غرض یہ کہ اسلام کی ہی تعلیمات کو اپنا مطمع نظر بناؤ اور ظاہر و باطن سے اس کے لئے کوشاں رہو اور یہ بات پیش نظر رکھو کہ اگر تم ان واضح دلائل کے بعد بھی جو تم تک پہنچ چکے ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل خود نبی کریم کی ذات ہے اور اللہ کا کلام اور احکام اسلام بھٹک گئے تو اللہ بہت زبردست ہے وہ طاقت والا ہے ہر شے کو جاننے والا ہے اور سب کو سزا بھی دے سکتا ہے لوگ کہ حکیم ہے اور کسی حکمت کی بنا پر چند سے سزا نہ دے یہ حال بھی اگرچہ ظاہراً سزا نہ ہو مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے سزا ہی ہے کہ کسی کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو تو کیا ایسے لوگ جو ان سب امور کے بعد بھی اپنی اصلاح نہیں کر پاتے اس روز کے منتظر ہیں جب اللہ اور اس کے فرشتے بادل کے سائبانوں میں آئیں گے اور سارا قصہ ہی تمام ہو جائے گا یعنی کیا یہ روز قیامت کے منتظر ہیں کہ جب تمام امور واقع ہوں گے تو یہ ایمان لائیں گے یعنی اس وقت کا ایمان لانا نافع نہ ہوگا اور یہ بھی یاد رہے کہ تمام مقدمات اللہ ہی کے سامنے پیش ہوں گے، کوئی دوسری عدالت فیصلوں کی مجاز نہ ہوگی کہ کوئی شخص پیش ہونے سے بچ جائے۔

ركوع ١٠ : سل بني اسرآءيل

كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢١١ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا
فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٢١٢
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ
النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٢١٣ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ
الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝٢١٤ يَسْـَٔلُوْنَكَ
مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ
الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝٢١٥ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ
لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا

شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۚ

ترجمہ:

آپ (علماء) بنی اسرائیل سے (ذرا) پوچھئے (تو سہی) کہ ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔ دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور (اسی وجہ سے) ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلمان جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دے دیتے ہیں۔

(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ (خوشی کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمائیں۔ اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اولاً) وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے۔ بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔ دوسری بات سنو) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہوگے حالانکہ تم ہنوز ان (مسلمان) لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان پر (مخالفین کے سبب) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی۔ اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانے کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی۔ یاد رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کی امداد (بہت) نزدیک ہے۔

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ پر ثواب دیں گے) جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

اسرار و معارف

رکوع ۱۰ شورۃ ۔ سل بنی اسرائیل ..... تا فان اللہ شدید العقاب ۔

آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے ان کی تاریخ دیکھئے کہ اللہ نے انہیں کس قدر واضح دلائل عطا فرمائے اور اللہ کے نبی ان کے پاس کتنی دلیلیں لائے جن سے ان کی اصلاح مقصود تھی مگر جب انہوں نے سرکشی کی اور ان دلائل کو پس پشت ڈالا تو ان پر کیسے کیسے عذاب نازل ہوئے اور یہ تو قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نعمت کو ٹھکراتا ہے، یعنی ایسے دلائل جو اسے راہ ہدایت سمجھانے کے لئے اللہ کی طرف سے اس کے پاس پہنچے ان کی پرواہ نہیں کرتا تو اس کا یقینی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رحمت باری سے محروم ہو کر اللہ کے غضب کا نشانہ بنتا ہے اور خدا کے عذاب بہت سخت ہیں، جس طرح اس کی رحمت حدود سے بالاتر ہے اسی طرح اس کے عذابوں کی سختی بھی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے اللہ ان سے بچائے۔ آمین۔

جب کوئی شخص اللہ کے ارسال کردہ دلائل کی پرواہ نہیں کرتا تو خود بخود اس کی پسند کا معیار بدل جاتا ہے اور محض دنیا کی لذات پہ فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے پھر اس کی ساری کوشش حصول لذات ہی تک محدود ہو جاتی ہے اور اسی شے کو مستحسن جاننے لگتا ہے۔

زین للذین کفروا الحیوٰۃ الدنیا...... واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جو لوگ ان عارضی اور مادی لذات کو ابدی راحت اور اخروی زندگی کے لئے قربان کرتے ہیں وہ انہیں ناسمجھ جانتا ہے اور ان کا تمسخر اڑاتا ہے کہ کیسے بے عقل ہیں، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ضابطوں میں جکڑ رکھا ہے اور عیش و عشرت نہیں کرتے لیکن یہ اس کی جہالت ہے یہ زندگی عارضی ہے اور اخروی زندگی دائمی اگرچہ راحت یہاں بھی مومن کے لئے ہی ہے کہ عین فطری زندگی بسر کرتا ہے اور کفار کی زندگی غیر انسانی ضابطوں میں جکڑی ہوئی ہوتی ہے مگر اس قدر باریک نگاہ نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں معیار صرف دولت اور خوبصورت مکان، لباس یا اچھی قسم کا کھانا ہوتا ہے سو آخرت میں یہ بھی دیکھ لیں گے کہ مومنین باعتبار رزق کے بھی ان سے بہت اعلیٰ ہوں گے کہ کفار جب عذاب الٰہی میں غوطے کھا رہے ہوں گے وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ اللہ قادر ہے جب چاہے اور جتنا چاہے کسی کو بخش دے۔

کان الناس امۃ واحدۃ ...... واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ۲۱۳

انسان اپنی آفرینش کے اعتبار سے تو بالکل ایک ہی جماعت تھے سو ان کا ایک ہی عقیدہ و نظریہ بھی تھا مگر جب ضروریات بڑھیں تو اختلاف اغراض نے نظریات بھی مختلف بخشے سو اپنے اپنے مزاج نے بھی رنگ دکھایا اور مختلف آراء

سامنے آئیں۔ ایک شور بپا جس میں ہر کوئی اپنی رائے کو حق ثابت کرنے پر مصر تھا سو رحمت باری نے دستگیری فرمائی اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ انہوں نے حق و باطل کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور جہاں اہل حق کو بشارت دی وہاں دوسرے گروہ کو اللہ کے غضب سے ڈرایا کہ باطل کی پیروی نہ کریں اللہ نے انبیاء کو اپنی کتابیں دیں ان پر اپنا کلام نازل فرمایا کہ حق کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں اور اختلاف دور فرمائیں مگر کتب سماوی اور واضح احکام پانے کے بعد بھی بعض لوگوں نے محض ضد کی وجہ سے انبیاء کی پیروی نہ کی اور محروم رہے بلکہ جن لوگوں نے سر تسلیم خم کیا اللہ نے ان کی الجھن بھی سلجھا دیں اور اپنی رحمت سے انہیں اختلافات کی دلدل سے نکال کر سیدھا راہ نصیب فرمائی وہ جسے چاہے سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق ارزاں کر دے۔

یہاں انسانوں کو بلحاظ عقیدہ و نظریہ تقسیم فرمایا ہے اور صرف دو قومیں ارشاد فرمائی ہیں کہ جب تک خیالات اور عقائد متحد تھے۔ نوع انسانی کی قوم بھی ایک ہی تھی۔ یہاں اُمۃ سے مراد وحدت عقائد ہے اگرچہ لغت میں کسی بھی سبب سے ایک وحدت وجود میں آئے تو امۃ کہلاتی ہے۔ وہ وجہ ایک زمانہ یا ایک خطہ ملک ہی کیوں نہ ہو مگر یہاں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ ملکی یا زمانی نہیں بلکہ نظریاتی ہے تو امۃ سے بھی نظریاتی وحدت ہی مراد ہو گی رہی یہ بات کہ یہ کس دور میں تھی تو بعض حضرات نے اسے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا دور گردانا ہے۔ بعض نے طوفان نوحؑ کے بعد بچ رہنے والوں کے حق میں لکھا ہے یہ باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر اسلوب بیان سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ نوع انسانی اپنے ساتھ اختلاف نہیں لائی بلکہ دنیا میں بسنے بسنے کے ساتھ ساتھ مختلف چیزیں سامنے آئیں اور اپنی پسند کے حصول کے مختلف ذرائع اپنائے گئے اور پھر ہر شخص نے اپنی رائے کو ہی درست جانا جو ایک فطری امر تھا مگر اللہ نے انبیاء بھیج کر حق و باطل واضح کر دیا۔ سو اس سے محروم صرف وہ لوگ رہے جو قبول حق کی استعداد ہی کھو چکے تھے اور محض ضد اور اکڑ میں اگر اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے۔ سو یہ بات واضح ہو گئی کہ قومیت کا اصل مدار مذہب ہے اور دنیا میں صرف دو قومیں ہیں۔ مومن اور کافر، نیز کفر کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جو مزاج کو قبول حق کی استعداد سے عاری کر دیتا ہے اور ایسے لوگ کبھی مان کر نہیں دیتے سو اظہار حق کرنے والوں کو اس سے بددل نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنا کام پورے خلوص سے کرتے رہنا ہی ضروری ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ... الی ... الا ان نصر اللہ قریب (۲۱۴)

تم تو اللہ کی رضا کے طالب ہو تم جنت کا داخلہ چاہتے ہو جو رضائے الٰہی کا مظہر ہے تو اتنی عظیم طلب کے لئے بہت بڑی قربانی بھی تو چاہیئے، کوئی ایسا کام بھی تو دکھاؤ جو تمہیں یہ انعام دلوانے کا باعث ہو کہ سنت اللہ یہی ہے۔ ہر کام کسی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے نیز اپنے سے پہلے گزرنے والے مومنین کو دیکھو ان پر بھی تو کس قدر امتحان آئے کہ انہیں ہلا کر رکھ دیا کہ بعض اوقات نہ صرف مومنین

بلکہ ان کے ساتھ انبیاء بھی پکار اٹھے۔ متیٰ نصر اللہ کہ اے اللہ تیری مدد جس کا تو نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے کب آئے گی، یعنی اے اللہ جلدی مدد فرما اور خوب جان لو کہ اللہ کی مدد بہت قریب ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدہ شرط ہے یہی اللہ کا نظام ہے اور یہ ضروری نہیں کہ مجاہدہ اختیاری ہی ہو، بلکہ اضطراری بھی نافع ہے اور سب سے بڑی بات جو مجاہدے پہ مرتب ہوتی ہے وہ قرب الٰہی ہے اور ماسوی اللہ سے بیزاری و ناامیدی ہے کہ آدمی ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ کو پکار اٹھے۔ اگر کوئی شخص محض شہرت یا کوئی کمال حاصل کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھاتا ہے تو وہ مجاہدہ نہیں جس پہ یہ اجر مرتب ہو بلکہ سخت گناہ ہے نیز مصیبت و ابتلا جو اللہ کے بندوں کو پیش آئے وہ محض صورتاً مصیبت ہوا کرتی ہے۔ حقیقتاً اللہ کا انعام اور ترقی درجات کا وسیلہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل وقتِ مصیبت اللہ سے دعا کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ خوب الحاح وزاری سے اللہ کو پکارنا ہی حاصلِ مجاہدہ ہے اور قرب الٰہی کی دلیل ہے اور مجاہدۂ اختیاری میں شرائط مجاہدہ کو نگاہ رکھنا ضروری ہے، مثلاً اللہ کی رضا کے لئے مال کا خرچ کرنا ایک مجاہدہ ہے لیکن مال کا محض ضیاع مجاہدہ نہیں بلکہ پہلے تو وہ مال خیر ہو فرمایا یسئلونک ماذا ینفقون ... الی ... فان اللہ بہ علیم (۲۱۵) حلال اور جائز کمائی ہو پھر اس میں سے جتنا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو اس کا مصرف یہ ہے کہ سب سے پہلے والدین کا حق ہے پھر قرابتداروں کا اور پھر یتیموں، مساکین اور مسافروں کا یاد رہے یہاں صدقاتِ نافلہ کی بابت ارشاد ہو رہا ہے اور ان کا بھی محل ہے یہ نہ ہو کہ والدین بھوک سے تڑپ رہے ہوں یا علاج کو ترس رہے ہوں اور نامور بنیا مہاجرین میں کھانا یا دوائیں بانٹنے کی تصاویر کھنچوا رہا ہو۔ اسی طرح جو مال خرچ کیا جائے وہ اپنا بھی ہو یہ نہ ہو کہ قرض خواہ پریشان پھریں اور بجائے انہیں واپس کرنے کے صدقات بانٹے جا رہے ہوں یعنی مال اپنا ہو جائز اور حلال ہو اور پھر درست جگہ پر خرچ کیا جائے اور خالص اللہ کی رضا مقصود ہو تب بات بنے گی۔ انہیں مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اور انہیں درجات کو پانے کے لئے تو تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔

کتب علیکم القتال .... الی ... واللہ یعلم وانتم لا تعلمون (۲۱۶) کہ اس میں مجاہدۂ اختیاری بھی ہے اور اضطراری بھی، گو بظاہر اور طبعاً تمہیں ناگوار بھی ہو، عین ممکن ہے کہ ایک شے تمہیں بھلی معلوم نہ ہو مگر وہ تمہارے لئے بہت سود مند ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز بہت پسند آئے مگر حقیقت کے اعتبار سے تمہارے لئے بہت نقصان دہ ہو کہ اشیاء کے حقائق سے واقف ہونا تمہارے بس کی بات نہیں یہ تو اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اسی کی شان علم ہے کہ وہ عواقب و نتائج سے باخبر ہے۔ سبحان اللہ یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ آتا ہے مومن کے لئے ہمیشہ انعام ہی ہوتا اور اس میں اس کی بھلائی ہوتی ہے، خواہ

صورتاً کس قدر شدید اور سخت بھی ہو اور کافر کو جو کچھ ملتا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے عذاب ہی ہوتا ہے، خواہ صورتاً دولتِ دنیا یا جاہ و منصب ہی کیوں نہ ہو۔ جہاد فرض ہے مگر فرض کفایہ ہے کہ ایک جماعت اس فریضہ کو ادا کرتی رہے تو سب کی طرف سے کفایت کرے لیکن اگر ان سے بات بڑھ جائے تو پھر پاس والوں پر فرض اسی طرح اگر ان سے نہ ہوسکے، تو پھر بڑھتا ہوا ساری دنیا کے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے۔

رکوع ۱۱ يَسْـَٔلُوْنَكَ

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ
مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ
يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ
يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ
مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ
الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

ترجمہ :

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر (خدا نہ کرے) قابو پا دیں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں۔ اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے اور تم پر رحمت کریں گے۔ لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجیے کہ جتنا آسان ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ ان مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں۔ اور اللہ مصلحت کو ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو

(الگ الگ) جانتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اور مت نکاح کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو کیونکہ یہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں

اسرار و معارف

رکوع ۱۲ شروع : یسئلونک عن الشہر الحرام ..... تا ..... اولئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون (۲۱۷)

جب جہاد کا ذکر شروع ہوا تو اس کے احکام ارشاد ہوتے ہیں جن میں بنیادی بات اشہر حرم کی ہے کہ سال میں چار مہینے رجب اور ذیقعد، ذی الحج اور محرم ہیں۔ قبل اسلام بھی ان میں لڑنا درست نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلام نے بھی ان کی حرمت بحال رکھی لیکن اس کے ساتھ یہ امکان بھی موجود تھا کہ مسلمان تو بالکل ہاتھ نہ اٹھائیں اور کافر جنگ کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہیں تو اللہ کریم نے ایک ضابطہ ارشاد فرمایا کہ فرما دیجئے کہ ان مذکورہ مہینوں میں لڑنا بہت بڑا جرم ہے اور عند اللہ بڑے گناہ کی بات ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ سے کفر کرنا اور بیت اللہ سے منع کرنا بلکہ جو لوگ مسجد حرام کے اہل ہوں ان کو وہاں سے نکال دینا کیا کم گناہ ہے ہرگز نہیں بلکہ اس طرح کا فساد تو قتال سے بڑھ کر جرم اور گناہ ہے سو اگر کفار ان مہینوں میں ایسی کوشش کریں یا لڑائی کی ابتدا ان کی طرف سے ہو تو پھر ماہ حرام کی حرمت پامال کرنے کا گناہ بھی ان ہی کے سر ہوگا اور یہی تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ظاہر ہے کہ آپ ان مہینوں میں اس وقت تک قتال نہ فرماتے تھے جب تک کہ ابتدا کفار کی طرف سے نہ ہو۔

کفار کا حال یہ ہے کہ یہ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے بلکہ یہ ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے تا آنکہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تمہیں تمہارے دین سے بھی برگشتہ کر دیں اور کفر میں لوٹا دیں اور اگر تم میں کوئی دین سے پھر جائے اور پھر کفر پر ہی مرے تو اس کے تمام نیک اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے وہ نہ تو دنیا میں اسے فائدہ دیں گے اور نہ آخرت میں بلکہ ایسے لوگ جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا میں مرتد کا نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ مسلمان سے وراثت نہیں پا سکتا۔ جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور نہ ہی مسلمانوں کے مقابر میں دفن کیا جا سکتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جاتا ہے اور عورت ہو تو حبس دوام باقی ہے اور آخرت کا نقصان ابدی جہنم ہے۔ ہاں اگر توبہ کرے تو از سر نو مسلمان ہوتا ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک اگر پہلے حج کر چکا تھا تو وہ بھی فاسد ہوا۔ بشرط

وسعت دوبارہ حج بھی کرے گا، یہی حال باقی نیک اعمال قبل از ارتداد کا ہے۔ امام شافعیؒ کا مسلک اس کے خلاف ہے اور کافر اصلی اگر کوئی نیک کام کرے تو معلق رہتا ہے اگر مسلمان ہو جائے تو پہلے کے سب نیک کاموں کا بھی اجر پاتا ہے اگر کفر پر مرے تو پھر سب ضائع ہو جاتے ہیں سو مرتد کافر اصلی سے بھی شنیع تر ہے اور کفار کا حال یہی ہے کہ وہ مسلمان کو بحیثیت مسلمان برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ آج بھی دیکھا جائے تو زبانی انسانی ہمدردی کے دعاوی کے باوجود کفار کے نزدیک وہ مرتد جو نام تو مسلمانوں جیسے رکھتے ہیں مگر عقائد اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں بڑے عزیز ہیں اور جو لوگ حق پرست اور مسلمان ہیں انہیں غیر مہذب اور قدامت پسند اور کیا کیا کچھ کہا جاتا ہے سو کفار کی ایسی کوششیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہیں کو روکنا ہر حال اور ہر زمانے میں نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

ان الذین اٰمنوا ...... غفور رحیم (۲۱۸) اور یہ بات پکی ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پھر سارے جہاں کو اللہ کے لئے چھوڑا۔ اللہ کی راہ میں جو بھی رکاوٹ بنی ہٹا دی، خواہ اعزہ و اقارب ہوں مال و جاہ ہو یا گھر اور وطن ہر شے کو اللہ کی محبت اور اپنے اللہ سے تعلق پر نثار کر دیا اور پھر یہیں بس نہیں کر دی بلکہ ساری عمر اللہ کی راہ میں لڑتے اور کفر کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے بسر کر دی۔ حقیقتاً یہی لوگ رحمت باری کے امیدوار ہیں ان کا عمل ان کی اس تمنا کا آئینہ دار ہے، اور انہوں نے کسی غلط جگہ امید وابستہ نہیں کی بلکہ اللہ ہے ہی بخشنے اور رحم کرنے والا۔

یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما ط

عرب میں عہد جاہلیت میں شراب اور جوا تہذیب کا ایک حصہ تھا۔ شراب کے بغیر ہر دعوت نامکمل سمجھی جاتی تھی اور جوا نہ کھیلنے والے کو کنجوس اور بزدل کہا جاتا تھا اور یہ دونوں عادتیں اس قدر رچ بس چکی تھیں کہ انہیں عربوں کے مزاج سے خارج کرنا اور نہ صرف ذہنی بلکہ قلبی طور پر مسلمانوں کا ان سے متنفر ہو جانا خود ایک بہت بڑا معجزہ اور دلائل نبوت میں سے ایک بہت بڑی دلیل ہے، بعض لوگ یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ اسلام نے سابقہ رواج بھی اپنائے ہیں لیکن اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کتنی بڑی بڑی برائیوں کا سد باب کیا ہے جو سوائے نبی کے کوئی شخص مٹانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، مثلاً یہی شراب اور جوا، دیکھ لیں یا متعہ کے نام سے جنسی بے راہروی کی ایک صورت۔ کیا آج کا یورپ شراب اور جنسی بے راہ روی سے پریشان نہیں ہے کیا وہاں کے دانشور اور صاحب اقتدار دونوں اس شے کو ختم نہیں کرنا چاہتے؟ لیکن کیا وہ ایسا کر بھی سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ یہ صرف اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلامی اور محبت کا تعلق ہے جس میں آج بھی یہ قوت ہے کہ یورپ کا باسی جو اسلام قبول کرتا ہے تو پھر ان چیزوں سے اس قدر متنفر ہو جاتا ہے جس قدر پہلے ان کا رسیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ صرف بات نہیں اس عاجز کا تجربہ ہے اور ایسے لوگ آج بھی میرے پاس مقیم ہیں جو سویڈن اور فن لینڈ جیسے

سرد ممالک کے باسی ہیں جہاں شراب ہمارے ہاں کی چائے سے زیادہ پی جاتی ہے مگر اب وہ دن بھر نماز اور مختلف مسائل یاد کرتے ہیں وہ ان چیزوں سے مکمل خلاصی پا کر پھر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ہاں بعض باتوں کو قائم رکھا یا ان کے اطوار کی اصلاح فرما دی، جیسے طواف کعبہ یا منیٰ و عرفات کا قیام وغیرہ۔ تو یہ چیزیں یا تو ادیان سابقہ سے تھیں جنہیں دین اسلام میں بھی قائم رکھا اور یا اتفاقاً ایسی باتیں تھیں جو عند اللہ پسندیدہ تھیں ورنہ کسی شے کی مضبوطی سے متاثر ہو کر دین اگر رواج کو اپنا تا تو شراب اور جوا حرام نہ ہوتے اور جنسی تعلق کے لئے صورت معین ہو سکتی تھی۔ ہاں یہ انقلابی کام تدریجاً کیا گیا۔ سب سے پہلے یہی ارشاد ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ بعض لوگ فائدہ بھی پاتے ہیں ان کا خواہ تھوڑا سہی مگر اک حسین پہلو بھی ہے مگر ان میں گناہ بہت زیادہ ہیں۔ اس قدر زیادہ کہ اس کے مقابلے میں وہ نفع بھی قابل مذمت نظر آتا ہے کہ چند لوگ تو پیسہ کما لیں مگر پوری قوم کی معیشت اور اخلاق تباہ ہو جائے اور قوم گمراہی کے اندھیروں میں ڈوب جائے تو یہ نفع ہرگز قابل التفات نہیں۔ یہ تھا پہلا حکیمانہ ارشاد جو شراب اور جوئے کے بارے نازل ہوا۔ بعض لوگ تو پہلے سے طبعاً یا عقلاً اسے پسند نہ کرتے تھے اور کچھ لوگ اس ارشاد سے متنبہ ہو کر اس کو چھوڑ گئے پھر حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ حکم ہوا۔

لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ۔ تو اکثر صحابہ نے یہ سمجھ لیا کہ جب اس حال میں نماز جیسی عظیم عبادت سے روک دیا گیا ہے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی اور پھر جب یہ واضح طور پر ممانعت کا حکم نازل ہوا تو قطعی طور پر سب مسلمانوں نے اسے چھوڑ دیا۔

یہ آیت سورہ مائدہ میں ہے اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔

تو مدینہ منورہ میں اس طرح شراب گرائی گئی کہ گلیوں میں جاری ہو گئی اور مدتوں میں کبھی بارش ہوتی تو زمین پر شراب کا رنگ نکھر آتا اور فضا میں شراب کی بو پھیل جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے پاس شراب ہے۔ فلاں جگہ جمع کر دی جائے تو جاں نثار صحابہ نے فوراً جمع کر دی۔ حضورؐ تشریف لے گئے اور دست مبارک سے مشکیزوں کو چاک فرمایا اور کچھ صحابہ کرام کے ہاتھوں ضائع کرا دیئے گئے بلکہ ایک صحابی جو شراب درآمد کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ساری جمع پونجی سے کر شام گئے ہوئے تھے جب شراب لے کر واپس ہوئے تو اثنا سے راہ انہیں حرمت شراب کا پتہ چلا تو فوراً سارا مال چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حکم چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہا دو۔ انہوں نے بلا تامل اپنا سارا سرمایہ زمین پر بہا دیا۔ رضی اللہ عنہم اس کی حرکت اگرچہ بتدریج ہوئی مگر جب حرمت نازل ہوئی تو پھر پوری شدت سے نافذ کی گئی اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت فرمائی۔ نچوڑنے والا، بنانے والا، پینے والا، پلانے والا، لاکر دینے والا، جس کے لئے لائی جائے، بیچنے والا، خریدنے والا، ہبہ کرنے والا اور اس کی آمدنی کھانے والا، اور اسی کے ساتھ جوئے کو بھی حرام قرار دیا۔ اسی شدت اور اسی قوت کے ساتھ اور جوئے کی تمام اقسام کو حرام قرار دیا خواہ وہ اس دور میں رائج تھیں یا آج رواج پائیں اور کسی بھی نام سے اور اس پر اجماع ہے کہ میسر میں جوئے کی تمام صورتیں داخل ہیں، حتی کہ فرمایا۔ المیسر القمار حتی لعب الصبیان بالکعاب والجوز۔ کہ ہر قسم کا قمار میسر ہے یہاں تک کہ بچوں کا کھیل لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ وغیرہ سے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اَلْمُخَاطَرَةُ مِنَ الْقِمَارِ۔ یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے جس سے مراد ایسا معاملہ ہے جس میں کسی قدر نقصان کا احتمال بھی ہو اور مال کے ملنے کا بھی جیسے آج کل لاٹری کے مختلف طریقے یا معمّے حل کرنے کا کاروبار وغیرہ۔ دراصل قمار کی تعریف یہ ہے کہ کسی مال کا مالک بنانے میں ایسی شرائط رکھی جائیں کہ جن میں وجود و عدم دونوں کا امکان برابر ہو اور نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبیں مساوی ہوں اور احادیث مقدسہ میں تو شطرنج اور چوسر وغیرہ کو حرام فرمایا ہے اور یہی حال تاش کا ہے اگر ان پر روپیہ بھی لگا ہو تو پھر خالص جوا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے۔ نرد (چوسر) کھیلنے والا گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں ہاتھ رنگتا ہے اور حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ شطرنج نرد سے بھی بُری ہے۔ مفسرین کرام نے بے شمار مالی، بدنی اور سیاسی نقصانات گنائے ہیں جن کو دہرانا یہاں ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ بہر حال ایک ضابطہ ارشاد ہوا ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت ضروری ہے، اور کسی چیز میں نفع بھی ہو مگر اس کا نقصان واضح ہو تو ایسا نفع چھوڑ دینا بہتر ہے، جیسے سانپ خوبصورت تو ہے مگر اس کا زہر قاتل ہے یا جرائم بھی تو لوگ نفع کی امید میں کرتے ہیں۔ چوری، ڈاکہ اور اغوا لیکن ایک شخص اپنے نفع کے لئے کتنے گھرا جاڑتا ہے کیا ان کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی حال شراب اور جوئے کے نفع کا ہے کہ ایک وقتی لذت ہمیشہ کے خسران کا سبب ہے اور ایک شخص کی آمدنی قوم کی تباہی کی ذمہ دار۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ه فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ کس قدر مال خرچ کریں تو فرمائیے کہ جو اپنی ضرورت سے زائد ہو یہ ایک ایسی صورت ہے کہ جس سے بعض حضرات نے یہ مفہوم لیا ہے کہ ضرورت سے زائد ہر شے خرچ کر دینی چاہئے اور آئندہ کیلئے بچا کر کچھ نہ رکھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا یہی مسلک تھا اور بعض اہل اللہ کا بھی۔ اکثر صحابہ کرام اس کے خلاف اعتدال کی راہ اپناتے

اور اللہ کی راہ میں بھی دیتے اور ضروریات کے لئے بچا کر بھی رکھتے تھے اور یہی ان آیات کا مفہوم بھی ہے کہ اللہ تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کی باتوں میں فکر کرو یعنی اپنی اخروی اور ابدی ضروریات کو بھی نگاہ میں رکھو اور دنیا بھی عالم اسباب ہے یہاں بھی زیست کا سامان کرو۔ اگر یہ انداز غیر محدود ہوتا تو زکوۃ فرض نہ ہوتی کہ وہ تو لاگو ہی پس انداز پر ہے۔ ہاں یہ نہ ہو کہ صرف اپنے لئے پس انداز کرتا رہے اور اپنے ارد گرد سے بیگانہ ہو جائے بلکہ عزیز و اقارب کا بھی خیال رکھے اور یہ صرف ان کی بھلائی کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کی اخروی اور ابدی ضرورت بھی ہے سو میانہ روی ہی مناسب ہے۔ کہ دنیا میں بھی آرام سے گزرے اور آخرت بھی درست رہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ...... عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

آپ سے یتیم بچوں کے ساتھ تعلق کے بارے میں سوال کرتے ہیں بصورت یہ پیش آئی کہ اکثر یتیم بچے تو ورثا کے ساتھ رہتے تھے اور ان میں سے بعض کے پاس والدین کا چھوڑا ہوا مال بھی ہوتا تھا اب جب مال کے بارے سخت محتاط رہنے کا حکم ہوا تو یتیم کے مال سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ارشاد ہوا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا کہ جو لوگ ظلماً یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں تو صحابہ نے یتیموں کا مال بالکل علیحدہ کر دیا۔ اب ان کے لئے علیحدہ کھانا پکانا یا بچ جائے تو نہ استعمال کر سکیں اور نہ صدقہ تو اس طرح ایک سخت مشکل صورتحال پیدا ہو سکتی تھی مگر اللہ نے آسان فرما دیا کہ مقصد یتیموں کی بھلائی ہے اگر تم ان کا مال اپنے ساتھ ساتھ شامل کر لو بدیں خیال کہ ان کا نقصان نہ ہو تو وہ تمہارے ہی بھائی اور عزیز ہیں۔ ہاں اگر کوئی بد بخت اصلاح کے پردے میں ان کا مال ہڑپ کرنا چاہے تو اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتا کہ اللہ بہتری چاہنے والے اور فسادی دونوں کو خوب جانتا ہے اور یہ قاعدہ اللہ نے تمہاری آسانی اور سہولت کو مقرر فرمایا کہ اللہ تم پر مشقت نہیں ڈالنا چاہتا اور وہ زبردست ہے کوئی دھوکا باز اس کی گرفت سے نہ بچ سکے گا اور وہ بڑی تدبیر والا ہے۔ حلیم ہے اگر اس کی حکمت سے چند دن گرفت نہ آئے تو کیا ہوا۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ...... لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

جب معاشرت اور باہمی اختلاط کا ذکر چلا تو فرمایا مسلمان یتیم تو تمہارے بھائی ہیں لیکن مشرک اگر رشتہ دار بھی ہے تو تمہارا کچھ نہیں لگتا سو مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں ان سے تو مسلمان لونڈی بہتر ہے، اگرچہ مشرک عورت اس سے خوبصورت بھی ہو اور اسی طرح مشرک مرد کے نکاح میں مسلمان عورت نہ دو کہ اس سے وہ غلام بدرجہا بہتر ہے جو مسلمان ہے، اگرچہ شکل صورت میں مشرک ہی کیوں نہ بڑھا ہوا ہو کہ اصل بات مآل کار ہے اور

رشتہ ازدواج ایک بہت مضبوط تعلق ہے۔ مشرک کے ساتھ تعلق اگر مومن کو مشرک نہ بنا سکا تو اس کے دل سے شرک کی نفرت تو ضائع کر دے گا جو دوزخ کی طرف ایک قدم ہے اور یہی شے کفر و شرک میں مبتلا کرنے والی ہے۔ سو فرمایا اس طرح یہ مشرک دوزخ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اپنے اثر اور اپنے تعلق کے نتیجہ کے اعتبار سے یہ جہنم کے داعی ہیں اور اللہ تو جنت اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اسی لئے اپنے احکام ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

یہاں شرک سے اگر مطلق غیر مسلم مراد ہیں تو اہل کتاب ان میں داخل نہ ہوں گے کہ وہ توحید و آخرت اور کسی نہ کسی نبی کی نبوت پر تو متفق ہیں اگرچہ حضور کی رسالت کے منکر ہیں مگر ان کفار سے کفر میں ہلکے ہیں جو توحید، رسالت اور آخرت کا سرے سے انکار کئے بیٹھے ہیں اور پھر اہل کتاب کی بھی صرف عورت سے نکاح درست قرار دیا۔ مرد سے نہیں کہ عورت فطرتاً مرد کے تابع ہوتی ہے۔ مسلمان سے نکاح شاید اس کی اصلاح کا سبب بنتا ہے اور یہ بھی صرف نکاح درست ہے نسب ثابت ہو جائے گا، مستحسن نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بھی دیندار عورت تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے تو جب بدکار مسلمہ سے نکاح مناسب نہیں تو اہل کتاب سے کیسے پسندیدہ ہوگا، نیز وہ بھی اس وقت جائز ہے جب اہل کتاب اپنے مذہب پر تو ہوں فی زمانہ تو صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی لکھا ہوا ہے اگر تحقیق کی جائے تو نہ ان کا اللہ پر ایمان ہے اور نہ آخرت پر نہ موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہی وجہ ہے کہ جب شام کے مسلمانوں میں ایسے نکاح ہوئے تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے بذریعہ فرمان روک دیا اور اس طرف توجہ دلائی کہ سیاست اور دیانت دونوں طرح یہ شادیاں مسلمان خاندانوں کے لئے مضر ہیں۔ (کتاب الآثار کلام محمد) اور آج کے غیر مسلم یہود و نصاریٰ جس طرح مسلمان گھروں میں داخل ہو کر ان کے راز حاصل کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کے درپے ہیں۔ ایک دلآزار حقیقت ہے مشرق وسطیٰ میں یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے باوجود تقریباً سب یا اکثر افراد اور حکمران طبقے کے گھروں میں یہودی لڑکیاں مسلمان ناموں سے موجود ہیں۔

اے کاش مسلمان کفار کے فریب کو سمجھ سکتا اور ان کا تو یہ حال ہے کہ تقریباً افریقہ کے تمام حکمرانوں پر بھی یہودی لڑکیاں ہی قابض ہیں۔ آج کل کے ملحد اہل کتاب یا نام کے وہ مسلمان جو عقیدۃً کافر ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں، جیسے مرزائی یا روافض کہ اول الذکر ختم نبوت کا انکار کر کے اگر کافر ہے تو ثانی اجراء نبوت کے عقیدے میں اس سے کہیں آگے ہے اور اسی طرح منکرین حدیث کہ انکار حدیث ایسا ہی کفر ہے جیسا کتاب اللہ کا انکار۔ ان سب سے نکاح حرام ہے اور اس کے جواز کی کوئی صورت کم از کم میری نظر میں نہیں آتی۔

☆

رکوع ۲۸ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى
فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى
يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ نِسَاۗؤُكُمْ
حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ
تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ
اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ
قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ
تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقٰتُ
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ
دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ۧ ع ۲۸ ۲

ترجمہ :

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجیئے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت مت کیا کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جاویں۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جاویں تو ان کے پاس آؤ جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔ تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت کے ہیں۔ سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر چاہو آؤ اور آئندہ کے واسطے (بھی) اپنے لئے کچھ کرتے رہو۔ اور یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو۔ اور (اے محمد ﷺ) ایسے ایمانداروں کو خوشی کی خبر سنا دو۔ اور اللہ کو اپنی ان قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فی ما بین خلق کے کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت) میں داروگیر نہ فرمائیں تمہاری قسموں میں (ایسی) بیہودہ قسم پر۔ لیکن اللہ داروگیر فرمائیں گے اس (جھوٹی) قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں۔ جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے) پاس جانے سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کر لیں تب تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے۔ اور اگر بالکل چھوڑ دینے کا ہی پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح) سے روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔ اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں۔ اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔ اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں حکیم ہیں۔

اسرار و معارف :

رکوع ۱۲ شروع ، ویسئلونک عن المحیض ...... ویحب المتطھرین ۔ •

اور جب رشتہ ازدواج یا نکاح کا ذکر ہوا تو یقیناً سوال عورت سے قربت کا بھی پیدا ہوگا اور اس میں عورت کی حالت کو بھی دخل ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنے کا کیا حکم ہے بیان ہو جائے تو فرما دیجئے کہ حیض گندگی کی چیز ہے۔ سو اس حالت میں عورتوں کے ساتھ صحبت نہ کرو تا آنکہ وہ پاک ہو جائیں اور جب پاک ہو جائیں تو اس جگہ سے صحبت کرو جس جگہ سے صحبت کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے، یعنی آگے کی جگہ سے اور یہ بات یاد رکھو کہ اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، یعنی اگر غلبہ شہوت سے ناپاکی میں صحبت کے مرتکب ہوئے تو خوب توبہ کرو اور اللہ سے بخشش چاہو اور ہو سکے تو صدقہ بھی کرو کہ توبہ کی بہترین صورت ہے اور اللہ پاک صاف رہنے والوں سے جو منہیات سے بچتے ہیں اور اللہ کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں، محبت کرتا ہے اور انہیں محبوب رکھتا ہے۔

..... نساؤکم حرث لکم ..... وبشر المؤمنین ۔ •

بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں اور اس اختلاط سے مراد محض شہوت رانی نہیں بلکہ اس پر بقائے نسل کا مدار ہے سو اپنے کھیت میں جس طرح چاہو کرو جس سمت سے چاہو صحبت کرو، بیٹھ کر یا اوپر نیچے لیٹ کر کروٹ سے یا پیچھے سے مگر صحبت کا موقع وہی ہے، جہاں سے نسل چل سکے جو واقعی کھیتی کہلا سکے کہ حیض کی حالت میں بھی لطف نہیں ٹھہرتا اور گندگی بھی ہے اور اگر دبر میں وطی کی جائے تو بھی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ سو محض لذات میں مشغول ہونا بھی تو مقصد نہیں بلکہ اس سے مقصد اصلی تو اصلاح معاشرت ہے، اور آئندہ کی زندگی یا آخرت کے لئے اعمال صالح کا کرنا سو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے   یعنی نکاح کے بعد یہ نہ جانو کہ عورت تو قابو آ ہی گئی ہے ملذت اٹھائیں بلکہ وہ بھی انسان ہے اس کے تم پر حقوق ہیں پھر نکاح سے مراد جہاں جنسی جذبے کی تسکین ہے وہاں بقائے نسل اور اختلاط جنسی میں بھی حدود الٰہی کی نگہداشت ہے۔ سو یہ بات یاد رکھو کہ تمہیں اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے اور اے میرے محبوب میری عظمت پر یقین رکھنے والوں کو بشارت دیجئے اور جو لوگ جذبات کو حدود الٰہی سے تجاوز نہیں کرنے دیتے انہیں اللہ کے انعامات کی نوید سنائیے۔

ولا تجعلوا اللہ عرضۃ ...... واللہ سمیع علیم •

اللہ کے نام کو اور اس کی قسم کو حسنِ معاشرت میں آڑ نہ بناؤ مبادا یہ کہہ دو کہ میں ضرور یہ بھلائی کرتا لیکن مجبور ہوں کہ غصے میں یا ناراض ہو کر قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہ کروں گا اگر کام نیک ہے حسنِ سلوک ہے یا بھلائی کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا معاملہ ہے تو

ضرور کرو کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے یعنی زبان کو صحیح حال کر رکھو، بلکہ قلب و ذہن کو بھی میلا نہ ہونے دو، اچھا سوچو اچھا بولو اور اچھا عمل کرو۔

لا یؤاخذکم اللہ ...... واللہ غفور رحیم۔ ہاں اگر بلا قصور تم جھوٹ بول چکے یا جھوٹ پر اس طرح قسم کھا بیٹھے کہ تم اسے سچ جانتے تھے مگر تھا جھوٹ تو اللہ کی رحمت اور بخشش ہے کہ اس پر گرفت نہ فرمائے گا اور یہ معاف کردی جائے گی لیکن جن امور میں تم نے دل میں ٹھان لی کہ گو یہ بات غلط ہے مگر میں قسم کھا کر اسے سچ ثابت کروں گا تو اللہ کی گرفت بڑی سخت ہے اور وہ تمہیں پکڑے گا یہ اس کا حکم ہے کہ چند ے مہلت بخش دے۔

؎ تو مشو مغرور بر حلم خدا ۔۔۔ دیر گیرد سخت گیرد مرترا

للذین یؤلون من نسآئھم ...... فان اللہ سمیع علیم (۲۲۶ - ۲۲۹)

اسی امر میں مرد و زن کے تعلقات میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھے کہ میں بیوی کے پاس نہ جاؤں گا تو اس کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے، اگر وہ اس دوران پھر مل بیٹھیں تو درست کہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اگر علیحدہ ہی ہو جانے کا ارادہ ہے تو بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اسے ایلا کہا جاتا ہے جس کی چار صورتیں ممکن ہیں کہ کوئی مدت معین نہ کرے اور قسم کھائے کہ بیوی سے صحبت نہ کروں گا یا چار ماہ کی مدت مقرر کرے یا پھر چار ماہ سے زائد مقرر کرے اور چوتھی یہ کہ چار ماہ سے کم مدت مقرر کرے تو پہلی تین صورتوں میں اگر چار ماہ سے پہلے قسم توڑ دے اور بیوی سے صحبت کرلے تو قسم کا کفارہ دے نکاح باقی ہے اور درست ہے اور چار ماہ گزر گئے تو عورت پر طلاق قطعی واقع ہو جائے گی یعنی بلا نکاح رجوع نہیں کر سکتا اور چوتھی صورت میں اگر قسم توڑ دی تو کفارہ دے گا اور اگر پوری کرلی تو بھی چونکہ چار ماہ سے کم ہے نکاح باقی ہے۔ (بیان القرآن)

والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء ...... واللہ عزیز حکیم (۲۲۸)

اگر عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھنا ہوگا یعنی وہ عورت جس سے خلوت صحیحہ ہوئی ہو اور اس کو حیض آتا ہو آزاد ہو لونڈی نہ ہو اگر اسے طلاق ہو جائے تو پھر تین حیض تک وہ نکاح ثانی نہیں کر سکتی نیز بحیثیت ایماندار ہونے کے اسے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ جو کچھ اس کے رحم میں اللہ نے پیدا کیا ہے حمل ہو یا حیض کو چھپائے اور اگر طلاق رجعی ہو جس کا بیان آئندہ آرہا ہے تو شوہر بلا تجدید نکاح لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں، بشرطیکہ رجعت سے مراد اصلاح ہو ورنہ محض تنگ کرنے کے لئے مناسب نہیں اگرچہ رجعت تو ہو ہی جائے گی اور جس طرح مردوں کا عورتوں پر حق ہے ایسا ہی حق عورت کا مرد پر بھی ہے۔ ہاں مرد کو ایک گونہ فضیلت عورت پر ہے کہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے عورت مرد کی پناہ میں ہی عافیت جانتی ہے اور حقیقی غلبہ تو اللہ کا ہے جس کے سامنے مرد و عورت سب حوارہ ہیں اور جس نے اپنی حکمت سے یہ نظام پیدا فرمایا ہے۔

معاشرہ ایک مرد اور عورت سے شروع ہو کر خاندان، قبائل، اقوام اور ملک کی صورت اختیار کرتا ہے۔ حسن معاشرت کے لئے دین برحق نے معاشرے کی بنیاد ہی سے اصلاح کا کام بھی شروع فرمایا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے صحیح مقام کا تعین کیا ہے۔ دونوں کے حقوق و فرائض متعین فرما دیئے ہیں اور مساوات اس شے کو قرار دیا ہے کہ ہر کوئی اپنی جگہ اپنا فرض بھی ادا کرے اور اپنا حق بھی پائے۔ رہا معاملہ آخرت کا تو اس کا مدار تقویٰ پر ہے ایسی عورتیں بھی یقیناً ہوں گی جو آخرت میں لاکھوں مردوں پر فضیلت رکھتی ہوں گی۔

قبل از اسلام عورت کو ایک گھریلو استعمال کی شے سمجھا جاتا تھا۔ اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور وہ مرنے والے کے مال کے ساتھ وراثت میں تقسیم ہوا کرتی تھی اور یورپ میں تو عورت کو انسان تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے جبکہ ہندوستان میں مرنے والے کے ساتھ بیوی کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ ۵۸۶ء میں بڑی رد و کد کے بعد فرانس میں یہ طے ہوا کہ عورت انسان تو ہے مگر یہ صرف مرد کی خادم ہے اور بس۔ تب یہ تھا اور اب یہ ہے کہ عورت کو مرد پر مسلط کرنے کے جتن ہو رہے ہیں اور مساوات کے نام پر عدم مساوات کے لئے تحریکیں چلائی جا رہی ہیں اور ایک بے لگام آزادی دے کر پورے معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ یہ صرف اسلام ہے جس نے عورت کی عظمت بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے تسلیم کروائی، جہاں اس کے فرائض متعین فرمائے وہاں پہلے اس کے حقوق کی بات کی اور تعمیر معاشرت میں اس کا بھرپور کردار رکھا۔ اسے وراثت میں حصہ دار قرار دیا، اسے اختیار بخشا کہ بالغ عورت کو کسی سے نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اگر وہ منظور نہ کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا اسی طرح شوہر کی وفات یا طلاق دینے کی صورت میں وہ خود مختار ہے اس پر جبر کرنا درست نہیں نیز شوہر کے لئے عورت کو راضی رکھنا اور اس پر خرچ کرنا عبادت قرار دیا۔ اگر شوہر حقوقِ واجبہ ادا نہ کرے تو عورت کو حق دیا کہ اسلامی عدالت کے ذریعے اسے ادا حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کرے۔

جہاں اس قدر حقوق دیئے وہاں عورت کو بے مہار نہیں چھوڑا اور اسے مردوں کی نگرانی سے آزاد نہیں کیا کہ بجائے خاندان کی تعمیر کے اور اولاد کی تربیت جیسے عظیم الشان کام کے وہ اپنے گزارے اور معاش کے لئے دفتروں میں دھکے کھائے اور ایک کھلونے کی حیثیت سے لوگ اس سے آنکھیں سینکیں۔ یہ بھی اس کی حق تلفی اور بربادی ہے۔ نہ صرف عورت کی بربادی بلکہ پورے معاشرے کی تباہی کا سبب ہے۔ سو اللہ نے سب کے حقوق مقرر فرما کر انہیں احسن طریقے سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور مرد کی فضیلت ارشاد فرما کر گویا اشارہ فرما دیا ہے کہ عورت مرد سے کمزور ہے اگر اس سے کوتاہی بھی ہو تو مرد کا کام برداشت کرنا اور اصلاح کی صورت پیدا کرنا ہے نیز سارا فساد اس وقت شروع ہوتا ہے جب لوگ حقوق تو مانگتے ہیں فرائض ادا نہیں کرتے تو حسن معاشرت یہ ہے کہ دوسرے کا حق ادا کرے اور اپنے مطالبات میں عالی ہمتی سے کام لے یہ اصول گھر سے حکومت تک جاری ہے اور قیام امن کا ضامن ہے۔

رکوع ۱۳ ؛ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا
حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ
اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ
ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا
تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ع ۱۳

ترجمہ

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے ۔ پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ ۔ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (ہی) جو تم نے ان کو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال

ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے میں) جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں۔ سو تم ان سے باہر مت نکلنا۔ اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاتے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ پھر اگر کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا اور خاوند کے ساتھ (عدت) کے بعد نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو طلاق دیدے تو ان دونوں پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہوں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں۔ اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو) پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) تم ان کو قاعدے کے مطابق (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو۔ اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادہ سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے اور جو شخص ایسا (برتاؤ) کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو ولعب (کی طرح بے وقعت) مت سمجھو اور حق تعالیٰ جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعہ سے نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اسرار و معارف:

رکوع ۱۳ شروع۔ الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ... الخ ... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (۲۲۹)

صورت طلاق کیا ہو اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے علیحدہ ہی ہونا چاہئے یا کوئی ایسی صورت واقع ہو کہ آئندہ مل کر رہنا نقصان دہ ہو یا زوجین کے مزاج نہ مل سکیں تو علیحدگی کی بھی ایک خاص صورت ہے۔ جیسے معاہدہ نکاح کی ایک معین اور خاص صورت ہے کہ ہر عورت کا ہر مرد سے نکاح جائز نہیں بلکہ ایک خاص ضابطہ ہے جس کی رو سے متعدد عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح درست نہیں۔

دوسرے انعقاد نکاح کے لئے دو گواہ موجود ہونا شرط ہے اگر گواہوں کے بغیر مرد اور عورت آپس میں نکاح کر لیں اور پھر زندگی بھر

کبھی اس سے کوئی فریق بھی انکار نہ کر سکے جب بھی یہ نکاح باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا ۔ اسی طرح نکاح کا اعلان عام بھی مسنون ہے اور ائمہ فقہ کے نزدیک تو نکاح ایک معاہدہ سے زیادہ ایک عبادت کی حیثیت رکھتا ہے اور قرآن وسنت اس پر گواہ ہیں سو جس طرح اس معاہدہ کے منعقد ہونے کی ایک امتیازی صورت ہے ایسے ہی اگر کسی وجہ سے اسے ختم کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے بھی ایک خاص قانون ہے جو اس آیہ کریمہ میں بیان ہوا ہے کہ نکاح کو ختم کرنے کی صورت میں صرف فریقین متاثر نہیں ہوتے بلکہ اولاد کی تباہی کا امکان ہوتا ہے اور بعض اوقات خاندان اور قبیلے کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں یا نوبت لڑائی تک پہنچتی ہے ۔ غرض پورا معاشرہ اس سے اثر پذیر ہوتا ہے ۔ اسی لئے اسلامی تعلیمات کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح عمر بھر کے لئے ہو اور اسے ختم کرنے کی نوبت ہی نہ آئے ۔ اسی لئے اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں افہام وتفہیم کا حکم دیا اور فرمایا ۔

حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا .. .. کہ دونوں خاندانوں سے ثالث بنائے جائیں تاکہ معاملہ نہ دو افراد تک محدود رہے اور نہ خاندان سے باہر لوگ سنیں، لیکن پھر بھی کبھی یہ سب کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوتیں اور طرفین کا اکٹھا رہنا مزید تلخی یا فساد کا سبب بن سکتا ہے تو اس کے لئے نکاح کو ختم کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہے ۔ مذاہب باطلہ کی طرح نہیں کہ کبھی رشتہ ازدواج ٹوٹ ہی نہ سکے بلکہ طلاق اور فسخ کا قانون ہے ۔ طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے کہ عادتاً تحمل اور بردباری کا مادہ اس میں زیادہ ہے ، نیز فکر و تدبر میں بھی عورت سے بڑھا ہوا ہے اور عورت چونکہ وقتی اثرات زیادہ قبول کرتی ہے سو اس کی جلد بازی طلاق کو ایک کھیل نہ بنا دے مگر اس کے ساتھ یہ بھی نہیں کہ عورت مجبور ہو اور ہمیشہ مرد کے ظلم وجور کا شکار رہے بلکہ اس کو بھی حق دیا کہ شرعی عدالت میں شکایت کرکے اور ثبوت مہیا کرکے نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور مرد کو اختیار تو آزادانہ بخشا مگر ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ أبغض الحلال عند الله الطلاق اور کما قال صلى الله عليه وسلم کہ طلاق دینا اگرچہ حلال ہے ، مگر اللہ کے نزدیک بہت ہی ناپسندیدہ اس لئے محض غصے سے مغلوب ہوکر یا وقتی اور ہنگامی جذبات کے تحت یہ حق استعمال نہ کیا جائے اسی طرح حالت حیض میں نہ دے یا جس طہر میں ہمبستری ہو چکی ہو اس میں بھی طلاق دینا مناسب نہیں کہ اس طرح عورت کی عدت طویل ہوکر اس کے لئے مصیبت ثابت ہوگی نیز معاہدہ نکاح دوسرے معاہدوں کی طرح فوراً ختم نہیں ہوجاتا کہ بات ہوئی اور فریقین فوراً آزاد بلکہ اس کو ختم کرنے کے لئے اول تو تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں ہیں پھر عدت کی پابندی کہ اس کے پورا ہونے تک عورت بھی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور مرد پر بھی بعض حقوق باقی رہتے ہیں ۔

علاوہ ازیں اگر ایک یا دو طلاق دی گئی ہوں تو نکاح فوراً نہیں ٹوٹ جاتا بلکہ عدت پوری ہونے تک باقی ہے اگر دوران

عدت رجوع ہو جائے تو نکاح سابق ہی درست تسلیم ہوگا اور یہ حق بھی ایک یا دو طلاق تک رکھا گیا ہے اگر کوئی شخص تیسری طلاق بھی دے دے تو اسے رجوع کا اختیار ہی نہیں رہتا بلکہ اگر دوبارہ آپس میں نکاح بھی کرنا چاہیں تو جب تک عورت بعد عدت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ اسے چھوڑ دے یا مر جائے تو اس کی عدت بھی گزارے اس کے بعد اختیار ہے کہ شوہر سابق سے نکاح کر سکتی ہے۔

ان آیات میں اسی قاعدے اور ضابطے کا ذکر ہے کہ الطلاق مرّتٰن کہ طلاق دو ہی مرتبہ ہے اور پھر ان دو سے نکاح ختم ہوتا بلکہ عدت پوری ہونے تک مرد کو اختیار ہے کہ اپنے نکاح میں روک لے یا پھر مدت پوری ہونے تک تاکہ نکاح خود بخود ختم ہو جائے۔ یہی مراد ہے۔ فامساکٌ بمعروفٍ او تسریحٌ باحسان سے کہ اگر حسنِ اخلاق اور خوش معاملگی سے رجوع ہو سکے تو بہتر صورت یہ ہے ورنہ اچھے طریقے سے اور ایک دوسرے کی عزت نفس بحال رکھتے ہوئے معاملے کو ختم ہو جانے دے جو عدت کی تکمیل سے خود بخود ختم ہو جائے گا اور یہ نہ کرے کہ عورت کو نہ آباد کرے اور نہ طلاق دے بلکہ تنگ کرے اور اس سے مال کا مطالبہ کرے بلکہ فرمایا جو تم انہیں دے چکے ہو مہر یا مختلف چیزوں کی صورت میں اس کا واپس لینا بھی حلال نہیں کہ طلاق ویسے ہی تلخی پیدا کرنے کا سبب بنتی اور اس پر یہ مطالبہ مزید خرابی پیدا کرے گا۔ ہاں ایک صورت استثناء کی اس میں بھی ہے اور وہ یہ کہ عورت بھی سمجھتی ہو کہ وہ مرد کے حقوق ادا نہ کر پائے گی اور اس طرح احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی اور مرد بھی یہ جانے کہ احسن طریقے سے نباہ نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں جائز ہے کہ مہر کی واپسی یا معافی کے بدلے طلاق دے دے اور یہ سب امور محض دنیا نہیں ہیں اور نہ صرف تکمیل جذبات کے ذرائع بلکہ یہ حدود اللہ یعنی اللہ کے مقرر کردہ قاعدے ہیں اور ان کی پابندی عبادت الٰہی ہے اور ان سے تجاوز سخت نامناسب بلکہ ان حدود کو توڑنے والوں کو ظالم فرمایا ہے کہ یہ سخت زیادتی کرنے والے ہیں اور اگر کوئی شخص عورت کو تیسری طلاق بھی دے دے۔

فان طلقها فلا تحل لہ من بعد ..... الخ لقوم یعلمون ۲۳۰ تو پھر وہ عورت اس وقت تک

اس کے حلال نہ ہوگی جب تک وہ عدت پوری کر کے کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پھر اس کا حق زوجیت ادا کرے اور وہ اسے طلاق دے دے یا مر جائے تو اس کی عدت بھی پوری کرے، بعد ازاں اگر وہ دونوں یہ سمجھیں کہ وہ حدود اللہ کی حفاظت کر سکیں گے یعنی باہم شرعی طور پر گزارہ کر سکیں گے تو آپس میں نکاح کر کے مل جائیں بہر حال یہ ملنا بچھڑنا حدود الٰہی کے اندر ہو یہ قواعد و ضوابط اللہ کریم نے ارشاد فرمائے ہیں اور اہل علم کے لئے تو زندگی کی بہترین راہیں ہیں۔

قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ سے طلاق کے بارے میں جو ثابت ہے وہ یہی ہے کہ جب طلاق کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو حالت

طہر میں ایک طلاق دے دے ۔ ورنہ عدت پوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا ۔ لیکن اگر وہ بھی دے دے جو الگ الگ دو طہروں میں ہوں کہ مرتان سے یہی مستفاد ہے ورنہ ۔ الطلاق مرتان فرما دیا جاتا اور وہ دو طلاقوں سے بھی بات وہی رہے گی کہ رجوع نہ کرے تو عدت پوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا ۔ اگر پھر آپس میں نکاح کرنا چاہیں تو نکاح درست ہو گا لیکن اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر اختیار بجز اس صورت ہے کہ عورت کسی اور سے نکاح کرے ، پھر وہ مرضی سے چھوڑ دے یا مر جائے تو اس کی عدت پوری کرے تب اگر چاہیں تو آپس میں نکاح کر سکتے ہیں ۔ رہی یہ بات کہ بیک وقت تین طلاق دے دینا درست نہیں اور منشا شریعت کے بالکل خلاف ہے ۔ اس لئے سخت گناہ ہے مگر گناہ ہونا اس کے متاثر کو نہیں روکتا ، طلاق واقع ہو جاتی ہے ، جیسے ظلماً قتل کرنا یا کسی کا مال لوٹ لینا سخت گناہ ہے مگر مرنے والا تو مر جاتا ہے یا مال تو لٹ جاتا ہے ۔

عہد نبوی میں ایسے واقعات ہوئے جو احادیث میں مذکور ہیں تو حضور نے باوجود ناپسند فرمانے کے طلاق نافذ فرما دی ۔ اس موضوع پر مستقل کتب دستیاب ہیں ، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عہد نبوی اور صدیقی میں تو بیک وقت تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا تو درست نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور لفظ البتہ استعمال کیا جو عرب میں عرفاً تین طلاقوں کے لئے بولا جاتا تھا مگر تین کا صریح مفہوم نہ تھا سو انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا کہ میری مراد ایک طلاق تھی اور ایک ہی کا قصد تھا ۔ بعض کتب حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت رکانہ نے تین طلاق دی تھی ، مگر ابوداؤد نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ انہوں نے البتہ کے ساتھ طلاق دی تھی تو چونکہ یہ لفظ تین طلاق کے لئے معروف تھا اس لئے راوی نے تین طلاق سے تعبیر کر دیا بہر حال اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف لیا جس میں انہوں نے بیان کیا کہ میری نیت تین طلاق دینے کی نہ تھی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاق کے صریح الفاظ نہ تھے ورنہ پھر نیت ہونے نہ ہونے کا کیا سوال ۔ سو حضور نے ایک طلاق قرار دی ۔ سو یہ قاعدہ بن گیا کہ اگر نیت ایک کی ہو مگر لفظاً ایسے کہہ دے کہ تین کا احتمال ہو یا نادانی سے ایک ہی کو موکد کرتا ہے تو اس کو حلف دینا ہو گا کہ میں نے ایک ہی طلاق دی ہے تب ایک تصور ہو گی ۔ عہد صدیقیؓ اور عہد فاروقی کے ابتدائی دو سال تو یہی طریقہ رہا مگر جب اسلام دور دور تک پھیلا نئے نئے لوگ داخل ہوئے تو دیانت و امانت کا وہ معیار جو صحبت نبوی سے حاصل ہوا تھا نہ رہا اور بمطابق حدیث شریف آئندہ گھٹنے کی امید بھی تھی تو حضرت فاروق اعظمؓ کی دور بین نگاہ نے دیکھا کہ یہ تو ایک کھیل بن جائے گا ۔ اور لوگ شریعت کی دی ہوئی اس سہولت کو بے جا استعمال کرنے لگیں گے تو آپ نے بالاتفاق صحابہ یہ قانون بنا دیا کہ اگر کوئی شخص تین طلاق دے گا تو وہ تین ہی تصور ہوں گی اور یہ عذر قبول نہ کیا جائے گا کہ نیت ایک کی تھی ۔ صحابہ مزاج شناس رسول مقبولؐ تھے ، ان کا اجماع دلیل شرعی ہے ۔ سو یہ اعتراض نہایت بودا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک قرار دیا اور حضرت فاروق نے بدل

دیا یا سب صحابہ ان سے کیسے متفق ہو گئے۔ یہ حضرات تو پیغام نبوی کو کائنات کی وسعتوں میں پھیلانے والے اور دین اسلام کو نافذ کرنے والے تھے۔ انہوں نے حضور کی دی ہوئی سہولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکا تھا جو درست تھا اور درست ہے۔ نیز یہ ایک فقہی مسئلہ ہے یہاں اس کا احاطہ مقصود نہیں۔ اس کے لئے شروح حدیث اور کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ... ... الخ .. .. .. اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲۳۱)

سو جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدت قریب الختم ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ رجعت کرے یا نکاح کو ختم ہو جانے دے۔ مگر دونوں امور کے لئے بالمعروف کا ... آیا ہے کہ شرعی قاعدے کے مطابق کرے اور ... طور پر ... دے یعنی اگر رجعت کا ارادہ کرے تو غصہ اور ناراضگی دل سے دور کرے ... بہتر طریقے پر رہنے کا ارادہ کرے نہ یہ کہ محض عورت کو ستانے کے لئے رجعت کرے، نیز سورہ طلاق میں حکم ہے کہ رجعت پر بھی دو معتبر گواہ بنا لے کہ کل عورت یا مرد دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو محض رجعت کا دعویٰ کر سکے اور نہ یہ کہ رجعت نہیں تھی بلکہ اس پر دو گواہ ہوں جو اصل صورت واقعہ بیان کر سکیں کہ پھر جھگڑا پیدا نہ ہو اور اگر چھوڑنا ہی مقصود ہو تو بھی اچھے طریقے سے کہ جیسے ارشاد ہے ان سے دی ہوئی چیزیں یا مہر یا کچھ اور معاوضہ طلب نہ کرے اور الٹا اسے کچھ دے کر رخصت کرے۔

لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ کہ اس کے کچھ حقوق ہیں مثلاً اگر خلوت ہو چکی اور مہر ادا نہیں کیا تو ادا کرے اگر خلوت نہیں ہوئی تو آدھا مہر دے۔ عدت ختم ہونے تک گھر میں رہنے دے اس کا خرچ برداشت کرے اور وقت رخصت بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ تحفتہً ہی سہی دے کر رخصت کرے کہ عورت بھی ذلیل و رسوا نہ ہو اور یہ معاملہ دو خاندانوں میں دشمنی کا سبب نہ بن جائے، اگر اس کے خلاف کیا تو اس نے صرف عورت کو تنگ کیا بلکہ اپنے آپ پر زیادتی کی کہ اس کے غلط طریقے سے جس قدر فساد پھیلے گا جتنے دل دکھیں گے سب کا وبال اس کی گردن پر ہوگا اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی اس سے سوا ابدی زندگی میں کس قدر خسارہ ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کے قوانین کو مذاق نہ سمجھ لو ۔ **لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا** ۔ اسے بچوں کا کھیل نہ بناؤ یا عہد جاہلیت کی طرح کہ بعض لوگ طلاق دے کر یا غلام آزاد کر کے مکر جاتے تھے کہ میں نے تو صرف مذاقاً کہا حقانیت نہ تھی۔ اللہ نے قانون بنا دیا کہ ان امور میں مذاق نہیں اگر کسی نے واقعی مذاقاً بھی کہہ دیا تو منعقد ہو جائے گا۔ جیسے حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ہنسی مذاق میں کرنا اور واقعی کرنا برابر ہے۔ ایک طلاق دوسرے عتاق اور تیسرے نکاح اگر مرد و عورت گواہوں کے سامنے ہنسی مذاق میں بھی ایجاب و قبول کریں گے تو نکاح ہو جائے گا۔ یہی حال رجعت اور طلاق کا ہے یا غلام کو ہنسی میں کہہ دیا کہ تو آزاد ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا، پھر اس تمام امر کو دوسری طرح ارشاد فرمایا کہ اللہ کے انعامات کو یاد کرو اور اس

کے احسانات کا شمار تو کرو کہ اس نے تم کو اپنے کلام کے شرف سے نوازا تمہیں کتاب عطا فرمائی ۔

حکمت و دانائی کی باتیں جو اللہ کا رسول تم تک پہنچاتا ہے کیا اس سب انعام کا یہ جواب مناسب ہے کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اسے مذاق بنایا جائے ، ہرگز نہیں پھر اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے وہ اعمال و کردار کو بھی دیکھ رہا ہے اور افکار و ارادہ بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے انعامات کی قدر کن دلوں میں ہے اور کون ایسے ہیں جنہوں نے پرواہ نہیں کی ۔ سو تمام امور اس طرح انجام دو کہ مآل کار تمہیں نقصان نہ اٹھانا پڑے ۔

ركوع ٣١: وإذا طلقتم النساء فبلغن
أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا
بينهم بالمعروف ذلك يوعظ به من كان منكم يؤمن
بالله واليوم الآخر ذلكم أزكى لكم وأطهر والله يعلم
وأنتم لا تعلمون ۝ والوالدات يرضعن أولادهن حولين
كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة وعلى المولود له
رزقهن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس إلا وسعها
لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده وعلى
الوارث مثل ذلك فإن أرادا فصالا عن تراض منهما و
تشاور فلا جناح عليهما وإن أردتم أن تسترضعوا
أولادكم فلا جناح عليكم إذا سلمتم ما آتيتم بالمعروف
واتقوا الله واعلموا أن الله بما تعملون بصير ۝ والذين
يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة
أشهر وعشرا فإذا بلغن أجلهن فلا جناح عليكم فيما
فعلن في أنفسهن بالمعروف والله بما تعملون خبير ۝
ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء
أو أكننتم في أنفسكم علم الله أنكم ستذكرونهن ولكن
لا تواعدوهن سرا إلا أن تقولوا قولا معروفا ولا تعزموا
عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله واعلموا أن الله يعلم
ما في أنفسكم فاحذروه واعلموا أن الله غفور حليم ۝

اور تم میں سے

ایسے لوگ مر جائیں اور وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دیدیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ باہم رضامند ہو جاویں قاعدے کے موافق۔ اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو کہ تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔ یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا قاعدے کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت کے موافق۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اس کے بچہ

کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے اس کے ذمہ ہے جو وارث ہو پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورے سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو۔ جو کچھ ان کو دینا کیا ہے قاعدے کے موافق۔ اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق۔ اور اللہ تعالیٰ تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں گا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادہ نکاح کو) پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ضرور ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات قاعدے کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنی ختم کو نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی بات کی اطلاع ہے سو اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

اسرار و معارف:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ۔ .... وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲۳۲)

یہاں مطلقہ عورتوں کے ساتھ بعد از طلاق کیا سلوک کیا جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ نہ تو عورت طلاق ہو جانے کے بعد اس قدر مجبور و بے کس ہوتی ہے کہ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور نہ اس کے ساتھ کوئی ایسی نحوست وابستہ کہ اسے اہل خاندان بوجھ خیال کریں بلکہ وہ بحیثیت انسان وہی پہلے والا انسان ہے اس کی اپنی ایک عزت نفس ہے اگر کسی وجہ سے مزاج نہ مل سکا اور طلاق ہو گئی ہو تو صرف اس وجہ سے اس کی عزت نفس ضائع نہیں ہو جاتی بلکہ بعد از طلاق جب عدت پوری ہو تو نہ ہی پہلے شوہر کو حق ہے کہ اسے نکاح ثانی سے روکے اور نہ ورثاء کو اگر پہلے ہی شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو ورثاء محض ناراضگی کی وجہ سے درمیان میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ہاں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک تو دونوں کی باہمی رضامندی اور دوسرے شرعی جواز۔ اذا تراضوا بینھم بالمعروف۔ بالمعروف سے یہی مراد ہے کہ کسی فریق پر زبردستی نہ کی جائے نہ مرد کو مجبور کیا جائے اور نہ عورت پر کوئی دباؤ ڈالا جائے۔ وہ اپنی رضا و رغبت سے آمادہ ہوں، پھر ان کی اس رضامندی کا شرعی طور پر جائز ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً پہلے خاوند سے ہی اگر نکاح کرنا چاہے تو طلاق رجعی ہوئی ہو ورنہ تین طلاقوں کے بعد وہ آپس میں نکاح نہیں کر سکتے یا کسی دوسرے خاوند کے ساتھ اگر راضی ہو تو شرعی قاعدے کے مطابق۔ مثلاً جیسا آج یورپ کا رواج ہے اگر کوئی بغیر نکاح ہی رہنا چاہے کہ نکاح تو پہلے کر کے دیکھ لیا اب ایسے ہی مل کر رہیں گے جب تک طبیعت نے چاہا رہیں گے ورنہ نہیں تو پھر روکنا واجب ہو جائے گا یا عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح کا ارادہ کرے تو جہاں شرعی طور پر جائز نکاح سے نہ روکنے کا حق ہے۔ وہیں سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اگر عورت نکاح تو کرنا چاہے مگر شرعاً جائز نہ ہو تو پھر روکنا ضروری ہے۔ بالعموم تمام مسلمانوں کو اور خصوصاً ورثاء کو بقدر استطاعت روکنا واجب ہے۔ ہاں محض اپنی فرض کردہ عزت یا غیرت کے خلاف جان کر روکنا یا کسی لالچ وغیرہ کی وجہ سے کہ کہیں سے روپے مل جائیں گے تو وہاں نکاح کر دیں گے یا اس طرح کی نامناسب باتیں سوچ کر اس سے شرعی حق ہے اسے محروم کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ مومن کی نگاہ اس دار فانی کی جھوٹی روایات سے بہت بلند ہوتی ہے۔

اسی لئے ارشاد ہے کہ اللہ یہ نصیحت ان کے لئے ارشاد فرما رہا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جن کے نزدیک حق وہ ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا اور عزت وہ ہے جو میدان حشر میں بھی معزز کر دے یہ تو وہ جذبہ ایمانی ہے جو خلاف حق سے روکنے کی ہمت دلاتا ہے اور کسی کا حق غصب نہ کرنے کی ترغیب بھی کہ بغیر کسی خارجی دباؤ کے انسان اپنی پسند سے

اور اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر نیکی کو اپنایا چلا جائے تو اس کا اثر دونوں جہانوں کی بہتری کا باعث ہوگا اور یقیناً ہوگا لیکن اگر محض دنیوی مصالح پر بھی نظر کی جائے تو ذالکم ازکیٰ لکم واطہر تمہارے لئے یہی بہتر اور پاکیزہ راہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی اپنی کسی مطلقہ یا بیوہ (بیوہ اگرچہ یہاں ذکر نہیں لیکن بعد عدت اسے بھی تو یہی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے ذکر کر دیا ہے کہ اختتام عدت کی علت تو مشترک ہے) کے نکاح ثانی کو اگر کوئی اپنی شان کے خلاف سمجھ کر رکاوٹ بنے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عورت کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے جس سے نہ صرف عزت تباہ ہو بلکہ خاندان کی تباہی اور فتنہ وفساد کا سبب بن جائے اسی طرح مال کے لالچ میں روکے اور ممکن ہے مال حاصل کرتے کرتے جان بھی ضائع کر بیٹھے کہ خلافِ فطرت جس بات پر بھی کسی کو مجبور کرو گے اس کا نتیجہ اچھا نہیں پا سکو گے اور اللہ کا قانون ہی عین فطرت کے مطابق ہے۔ سو ایک بات تو اللہ کی عظمت اور یوم آخرت کی سرخروئی کی ہوئی اس کے ساتھ دنیا کے نظام کو احسن طریق پر چلانے کے لئے بھی اللہ کے قانون کی پابندی ضروری ہے کہ اللہ جانتا ہے اس کا علم کامل ہے ہر چیز کے حقائق سے وہ باخبر ہے اور ہر شے کی فطرت اور ہر شخص کے نفسی تقاضوں سے آگاہ ہے۔ رہے تم تو تمہارا علم ناقص ہے اندازے ہیں جو کبھی درست اور اکثر غلط ہوتے ہیں سو تم نہیں جانتے۔ والوالدات یرضعن اولادھن ۔۔۔۔۔۔ ان اللہ بما تعملون بصیر ۰ (۲۳۳)

مرد وعورت کے تعلقات میں اولاد کا ذکر نہ کرنا گویا ان تعلقات کو ادھورا بیان کرنا ہے۔ سو اللہ کریم اولاد کے لئے بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ اصولاً ماں کے ذمہ ہے کہ اولاد کو دو سال تک دودھ پلائے بغیر عذر شرعی کے محض شوہر سے ناچاقی یا کسی ناراضگی کی وجہ سے دودھ نہ پلائے تو گناہ گار ہوگی۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ دودھ پلانے کی پوری مدت دو سال ہے، ہاں احکام رضاعت ثابت کرنے کے لئے امام اعظم ؒ کے نزدیک دوسری آیہ کریمہ وحملہ وفصالہ ثلثون شھراً دلیل ہے کہ اگر اڑھائی سال میں دودھ پلا دیا تو یہ ثابت ہو جائے گا اور اسی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے اڑھائی سال بھی دودھ پلا دیا تو جائز ہوگا مگر اس کے بعد ماں کا دودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے نیز مدت رضاعت میں دودھ پلانا ماں کا اپنا فرض ہے اس لئے شوہر سے اس کی اجرت طلب نہیں کر سکتی مگر ساتھ ہی ارشاد ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق عورت یعنی ماں کا نان نفقہ کھانا اور لباس بچے کے باپ کے ذمہ ہے، جیسے کہ راضی خوشی ہنستے بستے گھر میں عموماً ہوتا ہے اگر ناچاقی یا طلاق بھی ہو جائے تو مدتِ رضاعت میں بچہ کو متاثر ہونے دیا جائے۔ ماں برضا ورغبت دودھ پلائے اور باپ پوری دیانتداری سے اس کی کفالت کرے کہ بعد عدت اگرچہ نفقہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے مگر بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے بطور معاوضہ باقی رہے گا (مظہری) اور بعد عدت اگر عورت باقاعدہ معاوضہ طلب کرے تو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اتنا ہی مانگے جتنا کوئی دوسری عورت لے گی ورنہ پھر باپ کو حق ہوگا کہ بچے کرائے دوسری

عورت سے دودھ پلوانے کا اہتمام کرے اور اس میں دونوں طرف کے حقوق کی نگہداشت ضروری ہے، مثلاً بلا عذر اگر ماں کا انکار یا مناسب نہیں تو کسی عذر کی وجہ سے اگر وہ دودھ نہ پلا سکے تو باپ یا مرد کو بھی حق حاصل نہیں کہ اسے مجبور کرے، یعنی ایک حُسنِ معاشرت ہے کہ بچہ، ماں اور باپ تین فریق متاثر ہیں۔ تینوں کی بہتری کو مدِ نظر رکھا جائے وعلی الوارث مثل ذٰلک۔ یعنی اگر باپ فوت ہو جائے تو جن کو وراثت پہنچتی ہے وہ لوگ اپنی حیثیت کے مطابق بقدر میراث اس اہتمام کے ذمہ دار ہوں گے۔

امام صاحبؒ نے یہیں سے ثابت فرمایا ہے کہ جب دودھ پلانے کا اہتمام ان کے ذمہ ہے تو دودھ چھڑانے کے بعد بچے کا خرچہ بلوغت تک وارثوں کے ذمہ ہے کہ محض دودھ پلوانا مقصد نہیں مقصد بچے کا گزارہ ہے، مثلاً یتیم کا دادا اور اس کی ماں زندہ ہیں تو یہ وارث ہیں۔ ایک تہائی کی ماں اور دو تہائی کا دادا تو اسی نسبت سے بچے کا نفقہ بھی ان کے ذمہ ہے اور ان پہ واجب اور اسی طرح دادا کو حق حاصل ہے کہ یتیم پوتے کے لئے اپنی میراث میں وصیت کر جائے خواہ بیٹوں کے حصہ سے زیادہ بھی کر دے۔ کہ اصول وراثت کی رو سے تو وہ میراث نہ پا سکے گا کہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتا وارث نہیں ہو سکتا کہ قریب تر کے ہوتے ہوئے بعید نہیں ہو سکتا تو اس طرح اصول وراثت بھی مجروح نہ ہوا اور پوتا بھی محروم نہ ہوا۔

اب دوسری صورت کہ اگر میاں بیوی آپس میں رضامندی سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں خواہ ماں کی بیماری یا بچے کی صحت وغیرہ کسی بھی وجہ سے تو جائز ہے اور اگر وہ چاہیں کہ بچے کو کسی دایہ کا دودھ پلوائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی سے اجرت طے کر لی جائے اور بروقت پوری پوری ادا کر دی جائے یہ باہمی رضامندی کی شرط غالباً اس لئے ہے کہ بچے کی بہتری پیش نظر ہے اور والدین کے ذمہ ہے کہ اس کی بہتر پرورش کریں۔ واتقوا اللہ یعنی ایک معصوم جان سے کھیلنے کی جرأت نہ کرو کہ عورت مرد کو تنگ کرنے کے لئے یا مرد عورت کو پریشان کرنے کے لئے بچے کو نشانہ نہ بنائے کہ عورت بلا عذر دودھ پلانے سے انکار کر دے یا مرد بلا وجہ بچہ چھین لے یا اور کوئی اس طرح کی حرکت جو ان کی باہمی چپقلش کی وجہ سے بچے کو متاثر کرے تو ان سب امور میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کی اطاعت کرتے ہوئے معاملہ احسن طریق پر کرو اور یہ یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ .. .. وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۔(۲۳۵) ع

اب اسی معاملہ کی ایک اور صورت کہ اگر خاوند مر جائے تو عورت کو چار مہینے اور دس دن عدت کے گزارنے ہوں گے۔ دوران عدت عورت کو خوشبو لگانا، سنگار کرنا، سرمہ، تیل یا مہندی وغیرہ سے یا رنگین لباس استعمال کرنا وغیرہ درست نہیں، اسی طرح اس کو جائز نہیں کہ رات کو دوسرے گھر میں رہے اور یہی حال اس عورت کا ہے جس پر طلاق بائن واقع ہوئی ہو بلکہ اپنے گھر دن

سخت مجبوری کے دن کو بھی نکلنا درست نہیں اور نہ ہی دوران عدت نکاح ثانی کی بات کرے ہاں بعد عدت اگر نکاح کرنا چاہیں تو شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے ، اگر شرعاً جائز ہے تو تم خواہ مخواہ رکاوٹ نہ ہو اور نہ خلاف شریعت کرنے کی اجازت ہی دو اسی طرح دوران عدت نکاح کا پیغام نہ دو اور نہ وعدہ وعید ہی کرو ۔ ہاں اگر قاعدے کے مطابق کوئی ایسی بات کہہ دو کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ بعد عدت اگر عورت نے پسند کیا تو میں اس سے شادی کر لوں گا تو جائز ہے مگر وہ بھی کنایتہً اور یہ تو ہرگز نہ کرو کہ خفیہ پیغام دے کر یا ملاقاتیں کر کے شادی کے وعدے کرو ۔ دوران عدت یہ سب حرام ہے ہاں بعد عدت شرعی قاعدے کے مطابق کرو اور یاد رکھو کہ انسانوں سے تو ممکن ہے تم چھپ کے کر لو اللہ سے نہیں چھپ سکتے ۔ وہ تو تمہارے دل کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے ۔ سو ہر وقت اس سے ڈرتے رہو اور بخشش کی امید رکھو ، اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کرو کہ وہ غفور ہے اور اگر فوری گرفت نہ ہو تو بے فکر نہ ہو جاؤ کہ وہ حلیم بھی ہے ، سو ہر حال میں اللہ کی اطاعت کو مدنظر رکھو ۔ اسلام کا یہی قاعدہ سب سے زیادہ مؤثر ہے کہ جہاں حاکم کو نفاذ قانون کا حکم دیتا ہے ، جہاں تمام مسلمانوں کو قانون باری کے احترام کے لئے حسب طاقت کوشاں رہنے کی تلقین کرتا ہے وہاں ہر فرد کو اس کے اور اللہ کے درمیان تعلقات کو بھی یاد دلاتا چلا جاتا ہے کہ حکومت سے آدمی چھپ بھی سکتا ہے ۔ معاشرے کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے ۔ لیکن اللہ سے تو نہ چھپ سکتا ہے اور نہ اپنے ارادوں کو چھپا سکتا ہے پھر اسے صرف دنیا میں اپنا مجرا نہیں رکھنا بلکہ اسے میدان حشر میں اپنا حساب بھی پیش کرنا ہے ۔ ان سب امور کو مدنظر رکھ کر معاملات کو سرانجام دے ۔

رُكوع ١٥ شروع

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ
تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝
وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ
لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا
الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَ
لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝
حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا
عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ
يَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ
فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ
مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا
ع ١٥ عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

ترجمہ:

تم پر (مہر) کا کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے۔ اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے اور (صرف) ان کو ایک جوڑا دے دو صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق۔ واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر اور اگر تم ان بی بیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا اس کا نصف (واجب ہے) مگر یہ کہ وہ عورتیں اپنا (نصف) معاف کر دیں۔ یا یہ کہ وہ شخص رعایت کر دیں جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے اور تمہارا معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔ محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو۔ پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو کہ جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدے کی بات میں جس کو وہ اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔ اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (مقرر ہے) قاعدے کے موافق (اور یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

اسرار و معارف

رکوع ۱۵ - لاجناح علیکم ان طلقتم النساء .... الیٰ ... ان اللہ بما تعملون بصیر (۲۳۷)

یہاں طلاق کی ایک اور صورت ارشاد ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دے اور پھر اس میں بھی دو صورتیں مہر کی ہیں یا تو مہر مقرر ہوگا اور یا نہیں اگر مہر مقرر نہیں ہے تو انہیں اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرو کہ انہیں کچھ خرچ دے دو۔ صاحب حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔ جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت حسن رضؓ نے ایک ایسی طلاق کی صورت میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار درہم دیئے تھے اور حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے کہ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک جوڑا کپڑوں کا دے دے۔ یہاں لفظ متعہ واضح طور پر اس عورت کو گزارے کے لئے کچھ نہ کچھ دے جس کے ساتھ نکاح کے بعد خلوت نہیں ہوئی اور نوبت طلاق تک جا پہنچی ہے مگر صد افسوس کہ اہل تشیع نے اسے غلط معنی پہنا کر عورت کو کچھ دے دلا کر اس سے بدکاری کرنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو مشرکین عرب کی ایک رسم تھی اور جس کا تدارک اسلام نے کیا۔ انہیں وہی سیاہی اسلام کے نام پر تھوپتے ہوئے میں خدا کا خوف بھی نہ آیا۔ حالانکہ لغات القرآن میں جلد پنجم صفحہ ۲۹۶ پر یہی لفظ بطور ایں معنی استعمال ہوا ہے کہ جن عورتوں کو قبل دخول طلاق دو اور ان کا مہر مقرر نہ ہو تو انہیں متعہ (یعنی تمتعہ اور معیشت کے لئے کچھ دینا) دینا واجب ہے۔ یعنی متعہ گزارے کی اس رقم یا تحفے کا نام ہے جو صورت مذکور میں دیا جائے نہ کہ کچھ دے دلا کر بدکاری کی جائے اور اس کا نام متعہ رکھ دیا جائے۔

اللہ کی کتاب پر کس قدر جرأت اور دلیری ہے اعاذنا اللہ منھا - اور یہ دینا دلانا قاعدے کے مطابق ہو۔ بالمعروف اس میں کسی طرح کی محض شہرت یا مخفی طور پر کوئی طمع نہ ہو بلکہ معروف طریقے پر اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو۔ کہ اچھے اور صاحب خلوص لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر واجب ہے۔ یہاں ہر مسلمان سے محسن یا احسان ہونے کی توقع کی گئی ہے یا دوسرے لفظوں میں احسان ہی حقیقی ایمان ہے اور احسان یہ ہے کہ انسان کا دل اس کا باطن اللہ کی عظمت کو اپنی حیثیت کے مطابق تسلیم کرے۔

جیسا حدیث جبرئیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ احسان یہ ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ جرأت نہیں ہے تو کمتر درجہ یہ ہے کہ اس یقین کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ سو یہ تمام معاملات خوش اسلوبی سے نمٹانے کے لئے اسی باطنی کیفیت کی ضرورت ہے جو اسلام ہر مومن کے دل میں دیکھنا چاہتا ہے اور یہ کیفیات اللہ کے ذکر اور کاملین کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے کہ دلوں کو منور کرنا صحبت ہی کا

فیض ہے ورنہ محض الفاظ سے معاملہ عقل وخرد تک رہتا ہے۔ دل صرف کیفیات سے آشنا ہے اسے لفظوں کی ضرورت ہے نہ احتیاج ۔ جو لوگ گونگے اور بہرے ہوتے ہیں کیا ان کے دل لذات والم کو محسوس نہیں کرتے ضرور کرتے ہیں اگرچہ الفاظ اور ان کے معانی سے ان کے ذہن ناآشنا ہوتے ہیں ۔ ہاں جب دل ان کیفیات کو پالے تو پھر الفاظ کے معانی اور ان پر عمل سب کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرائضِ نبوت میں پہلے تزکیہ اور پھر تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ فیض صحبت نے شرف صحابیت بخشا اور جب یہ سلسلہ منقطع ہوا تو کتاب وحکمت تو باقی تھی مگر درجہ صحابیت کوئی نہ پا سکا۔ ہاں صحابہ کی صحبت میں تابعی اور ان کے فیض صحبت سے تبع تابعین کے مدارج ضرور تقسیم ہوئے ۔ یہی فیض صحبت سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسی کے امین اہل اللہ کہلاتے ہیں اور حسن اسلام کے لئے ان کی صحبت بھی شرط ہے۔

اب دوسری صورت کہ اگر مہر مقرر تھا اور قبل دخول طلاق ہو گئی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور نصف معاف ہاں اگر عورت ہی اپنی مرضی سے سارا معاف کر دے تو پھر کچھ بھی واجب نہ رہا وہ جس کے ہاتھ نکاح کا تعلق یعنی نکاح کو باقی رکھنے کا اختیار ہے، یعنی خاوند معاف کر دے کہ جو نصف شرعاً اسے معاف تھا حسن سلوک کرتے ہوئے وہ بھی دے دے اور اپنا حق چھوڑ دے تو پھر پورا دینا درست ہوگا اور بہتر صورت یہی ہے کہ حسن سلوک کرتے ہوئے معاف کر دو جو بھی اپنا حصہ معاف کرے گا مرد یا عورت وہی نیکی حاصل کرے گا کہ یہ نیکی اقرب للتقویٰ ہے۔ اللہ کریم کے لئے دوسروں سے بھلائی کرنا ہی اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتا ہے اور آپس میں احسان کرنا فراموش نہ کرو۔ نکاح قائم رہے یا بعض حالات میں نہ رہ سکے تو یہ ضرور یاد رکھو کہ تم دونوں مسلمان ہو اور مسلمان کا مسلمان پر حق ہے سو اس رشتے کو مت بھولو۔ ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور رعایت کا معاملہ کرو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور تمہارا ہر فعل یا فرمانبرداری ہے یا نافرمانی سو نافرمانی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔ ہر آن اطاعت کرو کہ اطاعت ہی کا نام عبادت ہے اور اس کیفیت وحالت کو قائم رکھنے کے لئے فرائض کا خاص خیال رکھو۔ حقوق العباد کی حفاظت کے لئے خوفِ خدا ضروری ہے اور خوف خدا اس میں کہاں جو حقوق اللہ ہی ادا نہیں کرتا سو

حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ ...... الی .... مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲۳۹)

سو تمام نمازوں کی حفاظت کرو، یعنی پوری کوشش سے ادا کرو۔ حفاظت سے مراد ہے کہ ان کا کوئی ادنیٰ سا رکن بھی ضائع نہ ہونے پائے وقت کا لحاظ، لباس کا خیال، وضو کا اہتمام، جماعت کی کوشش یہ سب چیزیں محافظت صلوٰۃ میں داخل ہیں، یعنی نماز ادا کرنا تو دور کی بات ہے نماز کی حفاظت کرو کہ مستحبات بھی فوت نہ ہونے پائیں۔ خصوصاً درمیان کی نماز کی جسے بقول اکثر عصر کی نماز کہا گیا ہے کہ اس کے دونوں جانب دن کی ابتدا اور اس کا اختتام ہے اور دو دو نمازیں۔ یہ تاکید غالباً اس لئے ہے کہ عصر کا وقت سب کے لئے

مصروفیت کا ہے ۔ دفاتر سے لے کر چولہوں تک گھر جانے کی تیاری میں لگے ہوتے ہیں ۔ مزدور اور دکاندار دن بھر کا کام سمیٹنے میں خواتین رات کے کھانے کی تیاری میں یعنی اکثریت کے لئے مصروفیت کا وقت ہے اگر اس وقت کی نماز بروقت اپنی شرائط کے ساتھ ادا ہو گئی تو باقی انشاء اللہ اس سے آسان ہوں گی اور نہایت سکوت اور اطمینان سے نمازیں ادا کرو کہ اس سے غرض صرف ادا سے فرض نہیں بلکہ ان کیفیات کا حصول ہے جو اللہ سے تعلق استوار کرتی ہیں ۔ نماز صرف عبادت نہیں بلکہ روح کی غذا بھی ہے ۔ دوا بھی اور یہ دونوں چیزیں خالص ہونا ضروری ہیں اور ان کی سخت حفاظت کی جاتی ہے اور اگر خطرہ ہو یا تم میدان جنگ میں ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر سوار ہی نماز ادا کر لو ۔ چھوڑو نہیں ، حفاظت کرو ۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر پڑھ سکے تو درست ورنہ قضا کر لے اور کھڑے کھڑے ادا کرے تو سجدے کا اشارہ رکوع سے زیادہ پست کرے ۔ مقصد ہے کہ امکانی حد تک نماز کو اس کے وقتِ مقررہ پر اس کی پوری شرائط سے ادا کرے کہ اسی سے اس کو اللہ کی اطاعت کی توفیق بھی ارزاں ہو گی ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ۔۔۔۔۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲۴۲)

یہ حکم تعین میراث سے قبل کے لئے تھا ، جب آیہ میراث نازل ہوئی اور عورت کا حصہ مقرر ہو گیا تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ آیہ میراث کے نزول سے قبل چونکہ حق کا مدار صرف مرنے والے کی وصیت پر تھا ۔ سو حکم ہوا کہ وصیت میں بیوی کو بھلایا نہ جائے بلکہ اگر وہ اپنی مرضی سے رہنا چاہے تو خاوند کا حق ہے کہ وہ وصیت کر جائے تو سال بھر وہ اس کے گھر میں اس کے ترکہ سے نان و نفقہ لے کر رہ سکے ، ہاں اگر اپنی مرضی سے بعد عدت نکاح کر لے شرعی قاعدے کے مطابق یا مرنے والے کا گھر چھوڑ دے تو پھر وارثوں پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عورت کا حق تھا ، اگر وہ اپنی مرضی سے چھوڑ دے تو ٹھیک ہے لیکن معروف ہو ، شریعت کے مطابق سو اگر کوئی خلاف شریعت کرنا چاہے ، مثلاً عدت کے دوران نکاح کرنا چاہے یا اور کوئی ایسی حرکت جو شرعاً جائز نہ ہو تو روکنا اور منع کرنا واجب ہو اور جو طاقت رکھتے ہوئے نہ روکے گا گناہگار ہو گا اور یہ یاد رکھو اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے یہ اس کی حکمت ہے کہ آج تمہیں اختیار بخشا لیکن یہ اختیار ہمیشہ تو نہ ہو گا بلکہ اس کا جواب دینا ہو گا ۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی ان جملہ احکام سے مراد مطلقہ عورتوں کو مناسب گزارہ دینا اور بڑی حد تک ان کی دلجوئی اور عزتِ نفس کی حفاظت ہے یہ متعہ سے مستفاد ہے کہ بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان ان کے حقوق ہیں انہیں پامال نہ ہونے دیا جائے اور مطلقہ کو محض دھتکاری ہوئی عورت شمار نہ کیا جائے ۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ہندوؤں سے متاثر ہو کر رواج پا گیا ہے اور لفظ متعہ ان عورتوں کو کچھ دینے کے لئے استعمال ہوا ، جن کے ساتھ نکاح تو ہمیشہ ساتھ رکھنے کی غرض سے ہوا تھا مگر بعض حالات نے پیدا ہو کر جدائی کی صورت پیدا کر دی نہ یہ کہ ایک مقررہ وقت کے لئے کچھ دے کر نکاح کر لیا اور معیاد پوری ہونے

پردہ خود بخود ختم ہوگیا، پھر نہ گواہ کی ضرورت نہ شاہد کی، یہ سب صورتیں شرعاً باطل ہیں اور متعہ سے یہ مراد لینا تحریف قرآن ہے یہ سب کچھ کرنا واجب ہے۔ اللہ کے نیک بندوں پر اللہ کو ماننے والوں پر خدا کا خوف رکھنے والوں پر کہ اللہ اپنے احکام اسی لئے بیان فرماتا ہے کہ تمہیں زندہ رہنے کا سلیقہ آجائے تم دنیا میں بھی باعزت زندگی گزار سکو تم عقل پا سکو اور سمجھ سکو تمہارا معاشرہ مثالی معاشرہ بن سکے۔

رکوع ۱۶

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ
لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ
لَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ
إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ
هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا
لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ
أَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَ
اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ
لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ
أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ
آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ ع

ترجمہ:

اے مخاطب تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے (حکم) فرما دیا کہ مر جاؤ (سب مر گئے) پھر ان کو جلا دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (اس قصہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں۔ کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لیجائے جاؤ گے۔ (اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا جبکہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں۔ ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جاوے تو (اس وقت) جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب

پھر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی

ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا کہ (اول تو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور (دوسرے) علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں اور ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاوے گا جس میں تسکین (اور برکت) کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و

حضرت ہارون (علیہما السلام) چھوڑ گئے ہیں اس صندوق کو فرشتے لے آویں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو

اسرار و معارف:

شروع رکوع ۱۲

لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنے سے تو زندگی مشکل ہو جائے گی یا زندہ رہنا محال ہو جائے گا تو یہ

اس کی بھول ہے کہ زندگی کے مصائب خود اس آدمی کے پیدا کردہ ہیں اگر وہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے تو اللہ قادر ہے کہ اس کے لئے ہر طرح راحت پیدا فرمائے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے بطور مثال ارشاد ہوتا ہے۔

الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم .... الخ .. واعلموا ان اللہ سمیع علیم (۲۴۴)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا تو مراد حضورؐ کا وہ قطعی اور یقینی علم ہے جو آپ کی روایت اور دیکھنے کے مصداق ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، نیز جس طرح حدیث معراج میں ملتا ہے کہ جب کفار نے بیت المقدس کی عمارت کے بارے میں سوال کئے تو اللہ نے عمارت آپ کے سامنے کر دی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے جاتے تھے اور جواب ارشاد فرماتے جاتے تھے یہاں بھی اگر دل کی رویت مراد ہو تو درست ہے جیسے صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے۔

ہی رویۃ القلب لا رویۃ البصر ... تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ چاہے تو گذشتہ واقعات کو بھی دل کی آنکھ سے اس طرح دیکھا جا سکتا ہے، جیسے وہ آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہے ہوں۔ یہ لوگ وبا کے خوف سے آبادی چھوڑ کر باہر میدان میں نکل گئے۔ الوف جمع کثرت ہے جو کم از کم دس ہزار کی تعداد کے لئے ہے۔ ممکن ہے اس سے بھی زیادہ ہوں کہ روایات مختلف ہیں تو ظاہر ہے کہ بارہمت لوگ ہی نکلے ہوں گے۔ بیمار کمزور بچے بوڑھے اور غربا تو اکثر رہ گئے ہوں گے تو اللہ کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی سو ارشاد ہوا مر جاؤ اور وہ مر گئے۔ اپنی طرف سے تو جان بچانے کو نکلے تھے مگر تدبیر انسانی کی قوت دیکھو لو کچھ کرنہ پائی اور الٹا تباہی کا سبب بن گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ اگر وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگو اور اگر تم وہاں سے باہر ہو تو پھر وہاں مت جاؤ۔ اس مفہوم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ اس کی اصل بھی یہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے وہ قادر ہے بیماری سے بچا سکتا ہے اور بغیر کسی مرض کے بھی موت دے سکتا ہے۔ سو بستی والوں کے لئے مناسب نہیں کہ بھاگ کھڑے ہوں اور اگر

کوئی باہر ہو یا محفوظ مقام پر ہو تو خواہ مخواہ وہاں جانے کی کوشش نہ کرے۔

روایات میں ملتا ہے کہ اللہ نے اس وادی پر فرشتہ مقرر فرمایا جس نے انہیں اللہ کا حکم پہنچا دیا کہ مرجاؤ اور دفعتاً سب کے سب مر گئے بلکہ تمام جانور اور مواشی جو ساتھ وہ سب مر گئے، جب ارد گرد کے لوگوں نے سنا تو جمع ہوئے مگر اس قدر افراد کا کفن دفن آسان نہ تھا سو انہوں نے ان کے گرد دیوار بنا دی جس میں پڑے گلتے سڑتے رہے۔ بعد مدت بنی اسرائیل کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کا گذر ہوا۔ جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھیر دیکھ کر دعا کی کہ اے اللہ انہیں معاف فرما دے اور انہیں زندگی عطا کر حکم ہوا کہ انہیں فرمائیے بحکم الٰہی زندہ ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا تو سب بیک وقت زندہ ہو گئے۔ اللہ کی ثنا بیان کرتے تھے اور کہتے تھے

سبحٰنک لَا اِلٰہَ اِلَّا انت اور پھر اپنی طبعی زندگی پوری کر کے فوت ہوئے کہ ان کی یہ موت غیر طبعی تھی اس لئے وہ دنیا میں رہے نہ آخرت ان پر منکشف ہوئی کہ آخرت کے منکشف ہونے کے بعد دنیا میں زندگی نہیں ہے اور نہ ایمان معتبر نہ عبادت، نیز اگر عمر طبعی پوری کر کے مرتے تو بطور اعجاز زندہ تو ہو جاتے مگر دنیا میں رہنے بسنے کی مہلت نہ دیئے جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ پر بطور دلیل پیش فرمانا تھا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور آخرت کو جی اٹھنے پر یقین کریں، نیز یہ سوال بھی رفع ہو جائے کہ پس مرگ تو اجزا پریشان ہو جائیں گے وہ کیسے دوبارہ اکٹھے ہو سکتے ہیں یا جیسے آج کل ایک نیا طبقہ یا اعتراض کرتا ہے کہ مرنے والے کے اجزا پریشان ہو گئے کوئی جل گیا کسی کو جانوروں نے کھا لیا اور کوئی خاک پریشان ہو کر زمین پر منتشر ہو گیا اب جب تک قیامت قائم ہو کر دوبارہ زندہ نہ ہوں انہیں عذاب یا ثواب کیسے ہو سکتا ہے۔

افسوس لوگوں نے قدرت باری کو اپنے اوپر قیاس کر رکھا ہے ورنہ تو قبل پیدائش کیا یہ کم منتشر تھے۔ تمام اغذیہ و ادویہ جو انسان کھاتا پیتا ہے کیا یہ سب اجزا سے خاکی نہیں ہیں۔ دودھ ہو یا مکھن غلہ ہو یا سبزیاں سب مٹی کے مختلف روپ ہیں، جو دنیا کے کونے کونے سے کھنچے چلے آتے ہیں اور ہر ذرہ اسی وجود تک پہنچتا ہے جس کے لئے اللہ نے اسے مقرر کر رکھا ہے باپ کے پیٹ میں پہنچ کر صلب میں محفوظ رہتا ہے اور ماں کے شکم میں جا کر علیحدہ وجود بننا شروع ہوتا ہے، غذا ماں کھاتی ہے مگر بچے کے اجزا الگ ہو کر اسی کا جزو بدن بنتے ہیں۔ اسی طرح پس مرگ اگر پریشان بھی ہو جائیں تو ان کا ربط روح کے ساتھ موجود رہتا ہے اور روح کی لذت یا الم سے متاثر ہوتے اور حصہ پاتے ہیں۔ اللہ قادر ہے کہ وہ ذرات کسی جانور کے پیٹ میں پہنچ جائیں تو بھی انہیں عذاب کرے یا راحت دے اور جانور کو علم تک نہ ہو، نیز اللہ کے سامنے ساری مخلوق کی گردن خم ہے، یہاں بوسیدہ ہڈیوں اور منتشر اجزا نے نبی کی زبانی اللہ کا حکم سنا تو سب جمع ہو گئے اللہ تو لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے کہ ان کو عذاب کی گرفت سے نجات دی اور دوسروں کے لئے کتنی بڑی دلیل قیام قیامت پر قائم فرما دی۔ اس کے باوجود لوگ اکثر ایسے ہیں جو ناشکری کرتے ہیں اور

اطاعتِ الٰہی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ سو محض طرزِ حیات کو اسلامی بنانے پر یہ عذر مت رکھو بلکہ اللہ کی راہ میں لڑو بغیر کسی ہچکچاہٹ اور جھجک کے کہ زندگی اور موت اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور ہر بات کو سننے والا اور ہر شے کو جاننے والا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ .... وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (۲۴۵)

اللہ ضرورت سے پاک ہے اور احتیاج سے منزہ ہے اس کے باوجود تمہاری اطاعت ایک بہترین قرض ہے جو اللہ نے اپنے ذمہ کر لیا ہے چونکہ قرض کی واپسی ضروری ہوتی ہے۔ تمہاری عبادت کا اجر اور اطاعت کا ثواب بھی تمہیں ضرور لوٹایا جائے گا اور اللہ اپنی شان کے مطابق لوٹائے گا کہ اللہ سینکڑوں اور لاکھوں گنا بڑھا کر واپس کرے اور جس قدر خلوص کسی اطاعت میں ہوگا اسی قدر وہ اپنے اجر میں بڑھ جائے گی کہ نعمتوں کو بڑھانا یا کم کرنا اسی کے دستِ قدرت میں ہے اور تم سب کو لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں جانا بھی ہے، یعنی اپنی دعوات

اللہ کے قانون پر قربان کر دو اللہ کی راہ میں اپنا مال اور جان تک پیش کرو کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ ایک انصاری حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے یہ آیہ کریمہ سنی تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنا ایک باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں۔ اللہ کے راستے میں خرچ کیا آپ نے فرمایا اللہ تمہیں اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔ واپس آئے تو باہر سے بیوی کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آجاؤ۔ یہ میں نے اللہ کو قرضِ حسنہ دے دیا ہے تو وہ بھی سن کر باغ باغ ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم من عذق رداح ودار فیاح لابی الدحداح کہ کس قدر کھجوروں سے پُر باغ اور کشادہ محلات ابی دحداح کے لئے ہیں۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ ارشاد ہوتا ہے، جس سے یہی مراد ہے کہ زندگی کو اللہ کے احکام کے مطابق ہی بسر کرنا عزت کا باعث بھی ہے اور سکون کا بھی فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی ..... الخ ..... اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔

آپ نے بنی اسرائیل کو نہیں دیکھا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد چند سے اطاعت کی اور پھر رفتہ رفتہ احکامِ الٰہی کو چھوڑ دیا جدید تہذیب بنالی اور قدامت سے جان چھڑالی جیسے آج کل کا رواج ہوتا جارہا ہے۔ اللہ نے ان پر کفار کو مسلط کر دیا۔ یہ عمالقہ تھے جنہوں نے ان کے شہر چھین لئے۔ بے شمار افراد کو قیدی بنایا اور تابوت سکینہ ایک صندوق جس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے تبرکات اور تورات کی ٹوٹی ہوئی تختیاں وغیرہ تھیں جو ان کے لئے باعثِ تسکین اور باعثِ نزولِ رحمت ہوا کرتا تھا چھین کر لے گئے۔ انبیاء اور بزرگوں کے تبرکات اہلِ ایمان کے لئے باعث نزول برکت ہوتے ہیں اور نا اہلوں کو ان سے محروم کر دیا جاتا ہے، جیسے آج کے جدید تہذیب کے دلدادہ مسلمان سے قبلہ اول چھین گیا ہے۔ اللہ ہمیں کعبۃ اللہ سے محروم نہ

فرمائیں اور توبہ کی توفیق دیں اور ہمارے گناہ معاف فرما کر قبلہ اول کو واپس حاصل کرنے کی ہمت دیں آمین۔

علامہ ابن کثیرؒ نے یہاں ایک حدیث نقل کی ہے کہ اللہ ایک بچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور اس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے نیز ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی اور تم پہ بارش برسائی جائے گی، اسی طرح کی ایک اور روایت میں تیس ابدالوں کا ذکر ہے، غرض یہ کہ اہل اللہ کا نہ صرف وجود باعث برکت ہوتا ہے بلکہ ان کا لباس ان کے جوتے تک باعث برکت ہوتے ہیں، لیکن صرف ان کے لئے جن کا ایمان اور عمل درست ہو اور اللہ کے بندوں سے اللہ کی معرفت کے طالب ہوں نہ ان کے لئے جو انہیں خدا کے اوصاف میں شریک مان لے ایسوں کے دونوں جہاں برباد ہوئے۔

سو اس بعد ان میں ایک بچہ پیدا ہوا جو خاندان نبوت سے تھا اور لڑائی کے بعد خاندان نبوت کی ایک بی بی حاملہ بچ گئی تھی انہوں نے اللہ سے دعائیں کیں کہ اللہ مجھے لڑکا دے اور اسے نبی بنا جب لڑکا ہوا تو انہوں نے اس کا نام شموئیل رکھا جس کا معنی ہے میری دعا قبول ہوئی (مظہری) جب وہ بڑا ہو کر نبی مبعوث ہوا تو قوم سے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور کفار سے مقابلہ کرو تو کہنے لگے کہ ہم پر کسی کو بادشاہ مقرر فرما دیجئے جس کی قیادت میں ہم لڑ سکیں اور کفار سے جہاد کریں۔ انہوں نے فرمایا تم سے کچھ امید نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے جہاد کے حکم پر تم عمل نہ کر سکو تو کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے شہر چھن گئے اور لڑکے قید ہو گئے، گھر برباد ہوئے ذلت الگ نصیب ہوئی اس کے بعد اگر اللہ ہمیں ایک مضبوط حکومت دے تو ہم ایسے کافروں سے کیوں نہ لڑیں گے لیکن ہوا وہی جس کا ڈر تھا کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو اکثر بھاگ گئے اور حیلوں حوالوں سے جان چھڑانے لگے۔ اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے یعنی وہ کبھی بھی اس کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتے اور دنیا و آخرت میں رسوا ہوں گے اس وقت قاعدہ یہ تھا کہ نبی الگ ہوتے تھے اور بادشاہ نبی کی اطاعت میں حکومت کا کام چلاتے تھے۔ سو اللہ کے حکم سے انہوں نے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ یہ بن یامین کی اولاد میں سے ایک غریب آدمی تھے اور پہلے حکومت یہودا کے خاندان میں آ رہی تھی جو امیر بھی تھے تو کہنے لگے یہ کیسے بادشاہ ہو سکتا ہے، حکومت تو ہمارا حق ہے اور پھر اس کی تو کوئی مالی حیثیت بھی نہیں۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اسے اللہ نے چن لیا ہے سو اللہ کی مرضی جسے چاہے حکومت دے اور پھر یہ شخص علم میں اور وجاہت ذاتی میں تم سے بہت بڑھا ہوا ہے اللہ نے اسے علم سے نوازا ہے یہ سیاست و حکمرانی اللہ کے قانون کے مطابق کر سکتا ہے اور پھر وجیہہ اور خوبصورت جوان ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ حکمران کو دین کا علم ہونا چاہیئے یا ایسے صاحب علم لوگوں کا ساتھ جو ہر مرحلہ پر رہنمائی کر سکیں اور سیاست اللہ کے حکم کے مطابق نیز صحت مند جسم بھی

صحت مند ذہن بھی رکھتے ہیں کہ حکمران بعض بیماریوں اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے بھی کاروبار حکومت خراب کر بیٹھتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ملک اللہ کا ہے جسے چاہے بخش دے، تمہارا اعتراض بے جا ہے کہ وہ حکومت کی استعداد نہیں رکھتا۔ خدا جب ذمہ داری دیتا ہے تو استعداد بھی عطا فرما دیتا ہے۔ اہل اللہ میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مناصب یا توان صاحب حال لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں جو عالم ہوں اور اگر علم ظاہر نہ رکھتے ہوں اور منصب نصیب ہو جائے تو پھر علم لدنی عطا کر دیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فضلا پھر ان سے علمی استفادہ بھی کرتے ہیں۔ صوفیا میں ہمیں ایسے بہت سے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ خدا کی ان سب پر رحمت ہو۔ سو کہنے لگے آپ کا ارشاد بجا لیکن اگر کوئی ظاہری نشان بھی نصیب ہو تو تسلی ہو جائے۔ فرمایا اس کے بادشاہ ہونے کی دلیل کے طور پر تمہیں وہ تابوت سکینہ جس میں حضرت موسیٰ و ہارون ؑ کی بچی ہوئی چیزیں لباس اور جوتے وغیرہ نیز عصائے موسوی تورات کی تختیوں کے ٹکڑے غالباً یہ وہ تختیاں ہوں گی جو طور پر موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں وغیرہ موجود ہیں۔ بغیر کسی محنت کے مل جائے گا اور اسے فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے چنانچہ اللہ نے عمالقہ پر مصیبت بھیج دی کہ جس بت خانے میں صندوق رکھتے بت تباہ ہو جاتے اور جس شہر یا گھر میں رکھتے وہ برباد ہو جاتا سو انہوں نے کسی جانور پہ لاد کر جنگل کو بھگا دیا جسے فرشتے ہنکا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے۔ رکوع ۱۶ تمام ہوا۔

رکوع ع ۱۷ :

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ
مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ
فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا
مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا
الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا
اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ
الصَّابِرِينَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا
صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُمْ
بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝
تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

ترجمہ :

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بیت المقدس سے
(عمالقہ کی طرف) چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے سو جو شخص (افراط کے
ساتھ) اس سے پانی پیوے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے
ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اتنی رخصت ہے) سو سب نے
اس سے بے تحاشا پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے سو جب طالوت اور جو مومنین

ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھیئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجیئے۔ پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعے سے دفع کرتے رہا کرتے تو سرزمین (تمام تر) فساد سے پر ہو جاتی ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور (اس سے ثابت ہے) کہ آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

اسرار و معارف:

رکوع ۱۷ - فلما فصل طالوت بالجنود ...... الی ...... وانک لمن المرسلین ختم پارہ دوم

اب جہاد کی تیاری ہوئی اور حضرت طالوت لشکر کو لے کر چلے تو فرمایا اللہ نے تمہارا امتحان مقرر کیا ہے کہ راستے میں نہر پڑتی ہے لیکن اس سے پانی پینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی چلو بھر کر پی لے تو خیر ہے اب سفر اور گرمی کے مارے ہوئے لوگ صبر نہ کر سکے سوائے ایک محدود تعداد کے جن کے ایمان مضبوط تھے۔ اب جس نے پیٹ بھر کے پانی پیا وہ چلنے کے قابل ہی نہ رہا اور نہ اس کی پیاس ہی بجھ سکی، جنہوں نے چند گھونٹ لئے پیاس بھی بجھ گئی اور جہاد کی فضیلت بھی نصیب ہوئی مگر جب جالوت کے لشکر کا سامنا ہوا تو یہ تعداد میں بہت کم تھے کچھ لوگ گھبرا گئے کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ ہم کیسے کر سکیں گے۔ جالوت عمالقہ کے حکمران کا نام تھا جو بہت خود سر اور سخت مزاج تھا اور ایک بڑا لشکر اس کے پاس تھا مگر ان میں بھی جو اخص الخواص اور اکمل تھے کہنے لگے فتح و شکست اللہ کے ہاتھ ہے اور کتنی کم تعداد جماعتوں کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں جو اپنے سے بڑے لشکروں پر غالب ہوئیں۔ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ناقص جو پانی پر بھی صبر نہ کر سکے اور پیچھے رہ گئے۔ کامل جو دنیاوی

نعمتوں پر صبر کرتے آگے بڑھنے اور اکمل جوان کے لئے بھی ثابت قدمی کا سبب ہے۔

جب جالوت کے لشکر کے مقابل ہوئے تو اللہ سے دعا کی کہ ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمارے دلوں پر اپنی طرف سے صبر اور استقامت کی قوت نازل فرما نیز ہمیں کفار پر فتح دے اور یہی توکل ہے کہ اللہ سے دعا بھی کرے۔ اسباب ظاہر لو دی کوشش سے اختیار کرے اور پھر نتیجہ اللہ کے سپرد کر دے جو اللہ کی طرف سے ہو اس پر راضی رہے چنانچہ حضرت داؤد نے جو اس وقت نوعمر تھے اور کمزور اور زرد رو تھے اللہ کے حکم سے جالوت کو قتل کر کے اس کا غرور خاک میں ملا دیا، چنانچہ طالوت نے انہیں بیٹی کا رشتہ بھی دیا اور پھر سلطنت بھی انہیں کو منتقل ہو گئی اور اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس قدر کمالات رب کو منظور ہوئے عطا فرمائے، جیسے لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کر دیا۔ زرہ بنانے کا فن سکھایا جس سے اپنی روزی حاصل کرتے اور حکومت اللہ کے لئے کرتے تھے۔ تمام جانوروں کی زبان سمجھتے تھے اللہ نے زبان میں سوز بخشا نیز پہاڑ اور درخت ان کے ساتھ مل کر ذکر کرتے تھے جسے ذکرِ حال نہ سمجھا جائے کہ وہ تو زبانِ حال سے ہر شے اللہ کا ذکر ہر وقت کر رہی ہے

حضرت داؤد علیہ السلام کی خصوصیت تو یہ تھی کہ پہاڑ اور چٹانیں زبانِ حال سے ان کے ساتھ مل کر اللہ کا ذکر کیا کرتی تھیں سو اللہ ہمیشہ بدی کا نیکی سے اور بدکاروں کا نیکوکاروں سے رد فرماتے رہتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور جہان والوں پر کرم اور اللہ تو ہے عالمین پر کرم فرمانے والا۔ تلک اٰیٰت اللہ — یہ سب احوال اللہ کی طرف سے آپ پر بیان ہوتے ہیں اور بالکل درست اور صحیح، جب کہ آپ نے کسی سے پڑھا نہ سنا تو یہ آپ کی رسالت کی بھی بہت بڑی دلیل ہیں جہاں ان میں ترغیب و ترہیب ہے وہاں ان کا بیان آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ بھی ہے اور آپ کی بعثت کے بعد نوع انسانی کو آپ کی اطاعت یا پھر اللہ کی گرفت دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا اللہ حضورؐ کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے

الحمد للہ دوسرا پارہ مکمل ہوا

یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ — ۲۷ مارچ

محمد اکرم عفی عنہ

ناشر

اوارہ نقشبندیہ اویسیہ ، دار العرفان ، منارہ ، ضلع جہلم